دیوان غالب اردو

مع

شرح دیوان غالب

و

مقدمہ مفصل بحالات غالب و تنقید کلام غالب

سید فضل الحسن حسرت موہانی بی اے

سابق ایڈیٹر اردوئے معلی علی گڈھ

جسکو

احقر العباد محمد حسن نے اپنے

انوار المطابع لکھنؤ وکٹوریہ اسٹریٹ نمبر ۵۳ میں چھاپکر

شائع کیا

قیمت

دیباچہ طبع اوّل

سبب تالیف جس زمانے میں راقم الحروف علی گڈھ کالج میں تعلیم پاتا تھا وہاں اردوئے معلّٰے کے نام سے ایک مفید علمی انجمن قائم تھی جس میں کالج کے باذاق طالب علم مختلف علمی مسائل پر عموماً اور اساتذۂ اردو کے کلام پر خصوصاً مضامین لکھا کرتے تھے۔ انجمن مذکور کے اکثر اعضا ایسے بھی تھے جو بہت شوق و زندہ دلی جلسہائے انجمن میں وقت مقررہ سے پہلے پہنچ جاتے تھے اور آغاز جلسہ تک غالب کے مشکل اور نازک اشعار کے معانی و مطالب کی نسبت بحث ہوا کرتی تھی چنانچہ راقم کو بھی حلّ دیوان غالب کا خیال اسی ذریعے سے پیدا ہوا۔

اگرچہ بوجوہ چند در چند اس انجمن کا وجود قائم نہ رہ سکا اور اکثر احباب کا زمانہ قیام کالج بھی ختم ہوگیا غرض کہ وہ محفل ہی برہم ہوگئی لیکن راقم کے دل میں شرح دیوان غالب کا خیال قائم رہا اور کچھ دنوں میں پورے دیوان کی شرح تیار ہوگئی۔

شکریہ احباب سنہ ۱۹۰۴ء میں انجمن اردوئے معلّٰے کے بعض اراکین کالج میں اتفاقیہ طور پر پھر جمع ہوگئے اور کبھی کبھی شعر و سخن کا بھی چرچا ہونے لگا راقم حروف نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر اکثر شام کی نشستوں میں اپنی تحریر کردہ شرح بھی سنانا شروع کی اور اکثر موقعوں پر اپنے محترم دوستوں مثلاً قاضی شمس الضحیٰ صاحب[1] اختر بی۔ اے۔ پروفیسر ظریف محمد صاحب[2] ایم۔ اے۔ حاجی محمد خاں[2] صاحب بی۔ اے محمد حامد صاحب بی۔ اے۔ ڈپٹی کلکٹر الٰہ آباد۔ میرزا محمد اکرم صاحب بی۔ اے۔ ڈپٹی کلکٹر سیونی کے مشورۂ صائب اور نکتہ چینی درست سے بہت کچھ فائدہ اٹھایا اور اسی زمانے سے اس مجموعے کی اشاعت کا بھی خیال پیدا ہوا۔

طریق شرح بعض احباب کی یہ رائے تھی کہ پہلے دیوان ہو اس کے بعد شرح لیکن راقم نے بلحاظ آسانی ناظرین اس طریق کو ترجیح دی کہ ہر غزل کے بعد اس کے مشکل اشعار کا مطلب درج کر دیا جائے تاکہ بار بار ورق الٹنے کی زحمت نہ اٹھانا پڑے۔

ادائے مطالب اشعار میں سب سے زیادہ لحاظ اختصار اور سادگی کا رکھا گیا ہے یعنی جہاں تک ہوسکا ہے شعر کا صرف ایک مفہوم مختصر عبارت میں صاف صاف لکھ دیا ہے۔ مشکل الفاظ کے لغوی معنے علیحدہ لکھنے کے بجائے اشعار کی شرح کے ضمن میں اسطرح ادا کر دیئے ہیں کہ تحلیل

---

[1] افسوس کہ آپ نے ایل ایل۔ بی ہوکر بمقام گورکھپور انتقال کیا۔

[2] افسوس کہ مسٹر ظریف نے بھی بحالت سفر بمقام وزیگا پاٹم سنہ ۱۹۱۵ء میں اور حاجی محمد خاں نے سنہ ۱۹۱۷ء میں انتقال کیا۔

ان سے وہ نکتہ واضح ہوجائیں مبتدیوں کے لیے یہ اختصار شاید نامناسب تھا
نے محض مبتدیوں کے خیال سے کتاب کی طوالت کو جائز رکھا۔

شکریہ شارحین دیوان غالب کی کئی شرحیں پہلے سے موجود تھیں مثلاً (۱) حضرت شوکت میرٹھی کی شرح جس میں بعض بعض اشعار کے ساتھ ... معنی بیان کرکے داد تحقیق دی گئی ہے لیکن راقم حروف اپنے قصور فہم کے باعث سے ان دقیق مطالب کے سمجھنے اور اُن سے فائدہ اٹھانے سے محروم رہا (۳) وثوق صراحت از حضرت والد حیدرآبادی جو درحقیقت بعض نوٹوں اور اشاروں کا مجموعہ ہے جن کی مدد سے غالباً والد مرحوم کا ارادہ شرح لکھنے کا تھا۔ یہ اشارے اگرچہ ناکمل ہیں لیکن ان کے مفید ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ جن دو چار مقاموں پر اس کتاب سے مدد ملی ہے وہاں اس کا اظہار کردیا گیا ہے (۴) یادگار غالب میں مولانا حالی نے زیادہ مشکل اشعار کے معنی نہیں لکھے ہیں لیکن جو کچھ لکھا ہے بہت خوب لکھا ہے چنانچہ بعض بعض اشعار کا مطلب بجنسہ نقل کرکے اس کا حوالہ دیدیا گیا ہے۔ (۴) شرح دیوان غالب از مولوی سید علی حیدر صاحب طباطبائی لکھنوی یہ شرح سب شرحوں سے بہتر ہے۔ راقم حروف کو اس وقت علم ہوا جبکہ دیوان کی شرح چھپ چکی تھی تاہم تصانیف غالب کی شرح میں اس سے بہت کچھ مدد ملی جس کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔

دیباچہ طبع ثانی طبع اول میں بعض اشعار کی شرح بہت مختصر اور اس لیے مبہم رہ گئی تھی۔ اس ایڈیشن میں حتی الامکان یہ نقص رفع کردیا گیا ہے۔ علاوہ بریں جن بعض اشعار کا مفہوم ہی مولف کے ذہن میں غلط آیا تھا ان کے صحیح مطالب غور مزید کے بعد از سر نو تحریر کیے گئے ہیں۔

اس باب میں مولوی سید علی حیدر صاحب طباطبائی کی شرح دیوان غالب کے علاوہ بعض احباب خصوصاً محمد فاروق صاحب دیوانہ گورکھپوری سے بھی قابل قدر مدد ملی جنہوں نے ایک خاص تنقیدی مضمون کے ذریعہ سے ترمیم شرح و نظر ثانی کی جانب خصوصیت کے ساتھ توجہ دلا کر راقم حروف کو ممنون احسان کیا۔

دیباچہ طبع ثالث طبع اول میں کتاب کی تقطیع ۲۰×۳۰ چھوٹی تھی اور طبع ثانی میں ۲۰×۲۶ اور اب طبع ثالث میں ۱۸×۲۲ کی متوسط تقطیع قرار دی گئی ہے اور آئندہ یہی قائم رہیگی۔ اشعار کے مطالب میں جابجا خفیف ترمیم و توضیح کے سوا طبع دوم و سوم میں اور کوئی فرق نہیں ہے۔ فقط حسرت موہانی علیگڑھ ۱۰ اگست ۱۹۱۱ء

طبع چہارم۔ اشعار کے مطالب میں جابجا خفیف ترمیم و توضیح مزید کے سوا طبع سوم و چہارم میں کوئی فرق نہیں ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

غالب کا حال

نام و خاندان | میرزا اسد اللہ خان نام غالب تخلص المعروف بہ میرزا نوشہ لقب نجم الدولہ دبیر الملک نظام جنگ (از جانب بادشاہ ظفر) اردو میں کبھی اسد بھی تخلص کرتے تھے۔ میرزا کے آبا و اجداد ایبک قوم کے ترک تھے چنانچہ آپ ایک قطعہ میں خود لکھتے ہیں ۔

ایبکیم از جماعت اتراک		در تمامی ز ماہ دہ چندیم
فن آبائے ما کشاورزیست		مرزبان زادۂ سمرقندیم

میرزا کے دادا سمرقند سے آکر شاہ عالم کے عہد میں دہلی میں نوکر ہو گئے تھے اور میرزا کے والد عبد اللہ بیگ خان پہلے لکھنؤ میں نواب آصف الدولہ کے ہاں نوکر ہوئے اس کے بعد حیدرآباد میں ۳۰۰ سوار کی جمعیت سے کئی برس تک ملازم رہے آخر میں الور پہنچے وہاں ایک لڑائی پر یورش میں کسی اثنا میں ان کے گولی لگی اور انتقال کیا غرضیکہ میرزا کا خاندانی پیشہ سپاہ گری رہا اور شاعری سے پہلے بھی تعلق تھا جیسا کہ انھوں نے خود لکھا ہے۔

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری		کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

میرزا عبد اللہ بیگ خان کی شادی کمیدان خواجہ غلام حسین خان رئیس آگرہ کی بیٹی سے ہوئی تھی چنانچہ میرزا ۸ رجب ۱۲۱۲ھ میں آگرہ ہی میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش و تعلیم بھی پائی۔

تعلیم | شیخ معظم اس زمانے میں آگرہ کے نامی معلموں میں سے تھے۔ میرزا نے ابتدا انہیں سے تعلیم پائی لیکن بعض لوگوں کا خیال ہے کہ میرزا میاں نظیر اکبر آبادی کے شاگرد تھے۔ ممکن ہے کہ یہ روایت بھی صحیح ہو کیونکہ میاں نظیر بھی آگرہ کے مشہور معلم تھے لیکن یہ شاگردی صرف ابتدائی درسی کتابوں تک محدود تھی ورنہ شاعری کے باب میں میرزا کو مبدأ فیاض

سے کے سوا نہ شیخ معظم سے تلمذ تھا نہ میاں نظیر سے۔ اور یہی حال فارسی کا بھی ہے کہ کہنے کو میرزا نے دو سال تک عبدالصمد ایرانی سے فارسی زبان سیکھی ورنہ درحقیقت اس زبان سے ان کو قدرتی مناسبت تھی۔ ملا عبدالصمد جن کا آتش پرستی کے زمانے میں ہرمزد نام تھا عربی کے بھی فاضل تھے لیکن مرزا نے عربی صرف و نحو کے سوا اور کچھ استاد سے نہیں پڑھا تھا البتہ اپنی فطری قابلیت سے انھوں نے وہ کچھ حاصل کر لیا تھا کہ مولانا فضل حق خیرآبادی مرحوم سے جید عالم کے روبرو بھی فہم کے علمی مباحثوں اور تذکروں میں بھی شریک رہتے تھے اور اس سلیقے سے گفتگو کرتے تھے کہ مولانا مرحوم کو باوجود کوشش، مرزا کا مبلغ علم دریافت نہ ہو سکا۔"

حلیہ عنفوان شباب میں مرزا شہر کے نہایت حسین و خوش رو جوانوں میں شمار کیے جاتے تھے اور بڑھاپے میں بھی ان کے چہرے اور قد و قامت سے حسن و خوبصورتی کے آثار نمایاں طور پر نظر آتے تھے اور اس عالم میں بھی وہ ایک نو وارد تورانی معلوم ہوتے۔

مسکن ۱۲۲۵ھ میں مرزا کی شادی نواب الٰہی بخش خاں معروف کے ہاں ہو گئی اور اس تقریب سے رفتہ رفتہ انھوں نے آگرے کو چھوڑ کر دہلی کی سکونت اختیار کر لی اور پھر آخر عمر تک یہیں رہے لیکن وارستہ مزاجی کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ کرایے کے مکان میں رہے۔ کبھی کوئی مکان اپنے لیے نہیں خریدا، اسی طرح مطالعے کے لیے بھی باوجودیکہ ساری عمر تصنیف کے شغل میں گذری کبھی کوئی کتاب نہیں خریدی ہمیشہ کرایے پر کتابیں منگوا لیتے رہتے تھے۔

معاش میرزا کے چچا نصراللہ بیگ خاں انگریزی فوج میں رسالدار تھے اور ان کے نام نواح آگرہ میں دو پرگنے مقرر ہو گئے تھے ان کے بعد سرکار نے ان کے وارثوں کی پنشن فیروزپور جھرکہ کی ریاست سے مقرر کرا دیں جس میں سے ۷۵۰ سالانہ مرزا کو مدت تک ملتا رہا مگر فتح دہلی کے بعد تین برس تک یہ پنشن قلعے کے تعلقات کی وجہ سے بند رہی علاوہ بریں بہادر شاہ کی طرف سے جو پچاس روپے ماہوار خاندان تیموریہ کی تاریخ نویسی کے عوض میں ملتے تھے ان کا ملنا بھی موقوف ہو گیا۔ غرض کہ دو سال مرزا نے بہت عسرت کی حالت میں بسر کی۔ مگر دو سال کے بعد نواب یوسف علی خاں مرحوم رئیس رامپور نے سو روپیہ ماہوار

پنشن کے لیے مقرر کر دیا جو نواب کلب علی خاں مرحوم نے بھی بدستور مرزا کے آخر دم تک جاری رکھا اور غدر سے تین برس بعد جب مرزا ہر ایک الزام سے بری ثابت ہوئے۔ تو سرکاری پنشن بھی جاری ہو گئی تاہم اُن کو کبھی وہ فارغ البالی نصیب نہ ہوئی جو اُن کے خاندان اور کمال کے شایاں تھی۔ لیکن مرزا کبھی اس کے لیے دل تنگ نہ ہوتے تھے۔

اولاد و شاگرد ابتدا میں مرزا کے سات بچے ہوئے مگر کوئی زندہ نہیں رہا۔ غدر سے چند سال قبل جب ان کی بی بی کے بھانجے زین العابدین خان عارف کا انتقال ہو گیا تو مرزا اُن کے دو بیٹوں کو اپنے سایہ عاطفت میں لے لیا۔ وہ اُن کو حقیقی اولاد سے بھی کچھ بڑھ کر عزیز رکھتے تھے مگر مرزا کے بعد دونوں جوان عمر میں فوت ہو گئے۔

عارف سے مرزا صاحب کو غایت درجہ کا تعلق تھا کیونکہ قرابت کے علاوہ مرزا کے شاگردوں میں وہ نہایت خوش فکر اور سعی یاب طبیعت رکھتے تھے اور باوجود پرگوئی کے نہایت خوش گو تھے انہیں کے مرنے پر میرزا نے وہ مشہور اور دردناک غزل لکھی ہے جس کا ایک شعر یہ ہے

ہاں اے فلکِ پیر جوان تھا ابھی عارف ۔۔۔ کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

عارف کے علاوہ میرزا کے اور بھی کئی شاگرد مشہور و معروف ہیں مثلاً۔

(۱) نواب ضیاء الدین خاں جو فارسی میں نیّر اور اردو میں رخشاں تخلص کرتے تھے۔

(۲) منشی ہرگوپال تفتہ اکبرآبادی جن سے فارسی کے چار ضخیم دیوان یادگار ہیں۔

(۳) مرزا قربان علی بیگ سالک جن کا کلیات چھپ گیا ہے اور قابل دید ہے۔

(۴) میر مہدی حسین مجروح جن کا دیوان شائع ہو چکا ہے اور جن کے نام عود ہندی میں مرزا کے اکثر خطوط درج ہیں۔

(۵) خواجہ الطاف حسین حالیؔ جن کے تصنیفات مشہور ہیں۔ راقم نے مرزا کے حالات زیادہ تر انہیں کی کتاب یادگار غالب سے منتخب کر کے لکھے ہیں۔

(۶) نواب علاؤ الدین خاں علائی (۷) محمد زکریا خاں زکی (۸) مولوی محمد اسمٰعیل صاحب میرٹھی گورنمنٹ پنشنر حافظ خان محمد خاں شہیر۔ عاشق حسین عاشق۔ میاں داد خاں سیاح نواب شہاب الدین خاں ثاقب

۱؎ آخر ۱۹۱۴ء میں آپ نے بھی انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (حسرت)

قمرالدین خاں راقم ۔ عزیز ۔ آگاہ ۔ ادیب ۔ مفتی ۔ مشتاق اور طالب بھی قابل ذکر ہیں ۔

تصنیفات مرزا کے تصانیف میں سے تقریباً کل چیزیں چھپ کر شائع ہو چکی ہیں مثلاً ۔

(۱) دیوان اردو جس کو مولانا فضل حق خیرآبادی کی رائے سے مرزا نے اپنے پورے دیوان سے منتخب کر کے چھپوایا ہے ۔

(۲) عود ہندی (۳) اردوئے معلی ۔ ان دونوں کتابوں میں مرزا کے خطوط ہیں جن کی نسبت بلا خوف یہ کہنا صحیح ہے کہ موجودہ اردو انشا پردازی کی بنا انہیں سے ڈالی گئی ہے ۔ (۴) کلیات نظم فارسی (۵) قاطع برہان اور اس کے جواب الجواب قاطع برہان میں مرزا نے برہان قاطع کی غلطیاں نکالی تھیں اس کتاب کی بعض لوگوں نے سخت مخالفت کی مثلاً مولوی احمد علی پروفیسر مدرسہ ہگلی نے مؤید البرہان اور حافظ عبد الرحیم میرٹھی نے ساطع برہان لکھی ان دونوں کتابوں کا جواب میرزا نے تیغ تیز اور نامۂ غالب میں دیا ۔ (۶) پنج آہنگ (۷) مہر نیمروز یعنی خاندان تیموریہ کی مکمل تاریخ ہمایوں کے حالات تک ۔ (۸) دستنبو حالات غدر میں (۹) گل رعنا یعنی انتخاب دیوان اردو و فارسی جس میں سے ہم نے چند ایسے اشعار جو مطبوعہ دیوان میں نہیں ہیں اس کتاب کے آخر میں نقل کر دیئے ہیں (۱۰) لطائف غیبی اور سبد چین وغیرہ متفرق رسالے ۔

اخلاق و عادات مرزا کے اخلاق و عادات کی نسبت یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ ان کی ذات اگلے زمانے کے شرفا کی وضع و صفات کا بہترین نمونہ تھی ۔

وسیع الاخلاق ایسے تھے کہ ہر مذہب و ملت کے لوگ ان کے شناسا اور دوست تھے اور بیماری کی حالت میں بھی وہ اپنے دوستوں کے خطوط کے جواب اور غزلوں کی اصلاح سے باز نہ آتے تھے ۔

فراخ حوصلگی کا یہ عالم تھا کہ سائل ان کے دروازے سے خالی ہاتھ بہت کم جاتا تھا ۔ غریبوں اور محتاجوں کی مدد اپنی بساط سے زیادہ کرتے تھے اس لئے اکثر تنگ رہتے تھے ۔ خودداری کی یہ کیفیت تھی کہ بازار میں بغیر پالکی یا ہوادار کے نہیں نکلتے تھے اور عمائد شہر میں سے جو لوگ ان کے مکان پر نہیں آتے تھے وہ بھی ان کے مکان پر نہیں جاتے

ست لاے سیوسے اپنا تم چہ شناسد قتیل واقف را	نفسِ نہ گفتگوئے اپنا تم آن کہ خط کردہ این موافق را

لیکن اس آن بان کے ساتھ انصاف کو بھی کبھی ہاتھ سے نہ دیتے تھے۔ چنانچہ شیخ ابراہیم ذوق جن کی نسبت مشہور ہے کہ مرزا کو اُن سے چشمک تھی ایک روز کسی نے مرزا کے سامنے اُن کا یہ شعر پڑھا ؎

مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائینگے	اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائینگے

مرزا شطرنج کھیل رہے تھے اس شعر کو سن کر شطرنج چھوڑ دی۔ بار بار اس کو پڑھواتے تھے اور سر دھنتے تھے۔ اسی طرح مومن کا یہ شعر ؎

جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا	تم مرے پاس ہوتے ہو گویا

سن کر کہا "کاش مومن خاں میرا سارا دیوان لے لیتا اور صرف یہ شعر مجھ کو دے دیتا"
اس بیان سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ سخن سنجی کی طرح سخن فہمی میں بھی مرزا یکتائے روزگار تھے۔ سلامتی طبع، محققانہ نظر اور حق پسندی میں بھی اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ کبھی کسی کو بیجا داد دی اور نہ کبھی قابل داد کلام سے ستایش جائز کو دریغ رکھا

خاتمہ مرزا نے ۷۳ برس چار مہینے کی عمر میں ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۸۶۹ء کی ۱۵ فروری کو انتقال کیا اور درگاہ حضرت سلطان نظام الدین اولیا قدس سرہ میں دفن ہوئے۔ اناللہ و انا الیہ راجعون۔ مرنے سے پہلے اُنھوں نے اپنی تاریخ وفات "غالب مرد" کہی تھی لیکن مرزا کا انتقال آٹھ سال بعد ہوا اور اکثر لوگوں نے "آہ غالب بمرد" سے تاریخ نکالی۔ مرزا کو بیہودہ عوام سے سخت نفرت تھی چنانچہ اسد کو بدل کر غالب تخلص رکھنے کی وجہ بھی یہی بیان کی جاتی ہے کہ اُس زمانے میں اسد کسی معمولی شاعر کا تخلص بھی نکل آیا تھا۔ اور اپنے پیش کردہ مادۂ تاریخ کے غلط ہونے کی توجیہ بھی مرزا نے اس طور پہ کی کہ ۱۲۷۷ھ میں میں اس لیے نہ مرا کہ اس سال وبائے عام تھی اور مجھکو عوام کے ساتھ مرنا منظور نہ تھا۔ فقط

مرزا کی شاعری

میر تقی میرؔ نے جو مرزا کے ہم وطن تھے اُن کے لڑکپن کے اشعار سُن کر یہ کہا تھا کہ "اگر اس لڑکے کو کوئی اُستادِ کامل مل گیا اور اس نے اس کو سیدھے رستے پر ڈال دیا تو لاجواب شاعر بن جائیگا ورنہ مہمل بکنے لگے گا"۔

اس قول سے معلوم ہو سکتا ہے کہ میر صاحب کی نظر تنقیدِ سخن کے باب میں کتنی گہری اور سچی تھی حقیقت میں مرزا نے کچھ تو اپنی فطری ذکاوت اور دشوار پسندی کی بنا پر اور کچھ فارسی کی طبعی مناسبت اور ملا عبدالصمد کی تعلیم کے اثر سے ابتدا میں وہ جو بیدل کا سا رنگ اختیار کیا تھا، اگر اسی پر قائم رہتے اور سلامتِ طبع یا بعض صحیح المذاق احباب کی نکتہ چینی تبدیلیٔ رنگِ سخن کا باعث نہ ہو جاتی تو اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ اُن کا کلام مہمل سمجھا جاتا اور عوام کی طرح خواص میں بھی مقبول نہ ہوتا۔

لیکن مرزا کی قسمت میں چونکہ ایک عدیم المثال اور کامل شاعر ہونا لکھا تھا اس لیئے بہ اعانتِ ذہنِ سلیم و طبعِ اثر پذیر اُن کے کلام سے اِشکال اور پیچیدگی کا عیب بتدریج کم ہو کر ہنر کے درجے کو پہونچ گیا۔

ابتدائی رنگِ سخن ملاحظہ ہو ؎

اسدؔ ہم وہ جنوں جولاں گدائے بے سر و پا ہیں ۔۔۔ کہ ہے سر پنجۂ مژگانِ آہو پشت خار اپنا

یک قدم وحشت سے درسِ دفترِ امکاں کھلا ۔۔۔ جادہ اجزائے دو عالم دشت کا شیرازہ تھا

یک ذرۂ زمیں نہیں بیکار باغ کا ۔۔۔ یاں جادہ بھی فتیلہ ہے لالے کے داغ کا

جادۂ رہ خور کو وقتِ شام ہے تارِ شعاع ۔۔۔ چرخ وا کرتا ہے ماہِ نو سے آغوشِ وداع

از مہر تا بہ ذرہ دل و دل ہے آئینہ ۔۔۔ طوطی کو شش جہت سے مقابل ہے آئینہ

حسن بے پروا خریدارِ متاعِ جلوہ ہے ۔۔۔ آئینہ زانوئے فکرِ اختراعِ جلوہ ہے

ان اشعار میں اشکالِ مضمون کے علاوہ الفاظ بھی اس قدر غریب اور ثقیل آئے ہیں جن کی کوئی شخص تعریف نہیں کر سکتا۔

کر دیا ہے۔ وہ ثقیل اور ناگوار تھا یہ لطیف اور گوارا بلکہ منظور اور مرغوب ہے اُس میں نقص اور خامی کی علامتیں پائی جاتی تھیں تو اس میں کمال اور پختگی کی جھلک نظر آنے لگی ہے ارباب مذاق دیکھیں گے کہ مرزا کے کلام کا یہ حسن روز افزوں یہیں پر نہیں ٹھہرا بلکہ مشق جاری کے ساتھ خوبی اور دل پذیری کے تمام درجے طے کر کے اس مرتبے پر فائز ہوا کہ بعد میں اُنہی کی شان میں کتنا تغیر آ گیا۔ ملاحظہ ہو

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں — خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں
نیند اُس کی ہے دماغ اُس کا ہے راتیں اُس کی ہیں — تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں
واں گیا بھی میں تو اُن کی گالیوں کا کیا جواب — یاد تھیں جتنی دعائیں صرف درباں ہو گئیں
رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج — مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

کسی کو دے کے دل کوئی نوا سنج فغاں کیوں ہو — نہ ہو جب دل ہی سینے میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو
وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں چھوڑیں — سبک سر بن کے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو
یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے — ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو
کہا تم نے کہ کیوں ہو غیر کے ملنے میں رسوائی — بجا کہتے ہو سچ کہتے ہو پھر کہیو کہ ہاں کیوں ہو

اس آخری شعر کے مصرع ثانی میں مرزا نے تکرار الفاظ اور شوخی بیان کا عجیب و غریب نمونہ پیش کیا ہے۔ اور یہی وہ انداز کلام ہے جو مرزا کے ساتھ مخصوص تھا۔ اس رنگ کا اور بھی ایک شعر ملاحظہ ہو

نہیں کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں — شب فراق سے روز جزا زیاد نہیں

اس مطلع میں بھی مصرع اول کی بندش میں "نہیں" کا لفظ شروع میں جس سلیقے اور اہتمام کے ساتھ رکھا گیا ہے کہ پورے شعر میں جان پڑ گئی ہے

مرزا کے اس آخری انداز کلام میں فصاحت اور بلاغت کی شانیں اس خوبی کے ساتھ فلسفہ ہم پلہ ہیں کہ کمال سخن سنجی کی اس سے بہتر مثال ذہن میں تصور کی کیا ہو سکتی ہے

حضور شاہ میں اہل سخن کی آزمائش ہے — چمن میں خوش نوایان چمن کی آزمائش ہے

نہیں کچھ سبحہ و زنار کے پھندے میں گیرائی	وفاداری میں شیخ و برہمن کی آزمائش ہے
نہ ہوئی گر مرے مرنے سے تسلی نہ سہی	امتحاں اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سہی
ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق	نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی
نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا	گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی
دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی	دونوں کو اک ادا میں رضامند کر گئی
وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں	اٹھیے بس اب کہ لذت خواب سحر گئی
دیکھو تو دل فریبی انداز نقش پا	موج خرام یار بھی کیا گل کتر گئی
ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی	اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی
فردا و دی کا تفرقہ یک بار مٹ گیا	کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گذر گئی

مرزا کے خصوصیات کلام میں سے یہ بات عجیب ہے کہ جب کبھی وہ فارسی ترکیبوں سے گذر کر سہل ممتنع پر آجاتے ہیں تو سادگی اور روانی کا دریا بہا دیتے ہیں مثلاً۔

دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے	آخر اس درد کی دوا کیا ہے
ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار	یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے
جان تم پر نثار کرتا ہوں	میں نہیں جانتا دعا کیا ہے
ہم کو ان سے وفا کی ہے امید	جو نہیں جانتے وفا کیا ہے
میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب	مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے
کب وہ سنتا ہے کہانی میری	اور پھر وہ بھی زبانی میری
کیا بیاں کر کے مرا روئیں گے یار	مگر آشفتہ بیانی میری
منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید	ناامیدی اس کی دیکھا چاہیے
قہر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو	کاش کے تم مرے لیے ہوتے
جب توقع ہی اٹھ گئی غالب	کیوں کسی کا گلا کرے کوئی
ہوچکیں غالب بلائیں سب تمام	ایک مرگ ناگہانی اور ہے

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے	بے نیازی تری عادت ہی سہی
قطع کیجے نہ تعلق ہم سے	کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی
یار سے چھیڑ چلی جائے اسدؔ	گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

ان اشعار کی خوبی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ان میں سے اکثر مقبول انام ہو کر ضرب المثل کے درجے تک پہونچ چکے ہیں۔

یہاں تک مرزا کے الفاظ، ترکیب اور بندش کی خوبیوں پر بحث کی گئی جب ہم اُن کے کلام پر بحیثیت مضمون و معنی نظر ڈالتے ہیں تو اس شان میں بھی اُسے یکتا تسلیم کرنا پڑتا ہے یعنی اس لیے کہ جذبات انسانی کی جیسی سچی تصویر مرزا نے بصورت اشعار پیش کی ہے اس کا جواب میرؔ کے بعد کسی دوسرے شاعر کے کلام میں مشکل سے دستیاب ہو سکے گا۔

لاریب مرزا نے بعض بعض اشعار کے اجمال میں سلسلۂ خیالات و جذبات کی ایسی تفصیل پنہاں کی ہے جن کی تشریح کے لیے دفتر بھی ناکافی ثابت ہوں تو عجب نہیں۔ ملاحظہ ہو۔

کس منہ سے شکر کیجیے اس لطف خاص کا	پرسش ہے اور پائے سخن درمیاں نہیں
ہے اس شوخ سے آزردہ ہم چندے تکلف سے	تکلف برطرف، تھا ایک انداز جنوں وہ بھی
میں ہوا وہ دل آزردگی یار سے خوش ہوں	یعنی سبق شوق مکرر نہ ہوا تھا
گو میں رہا رہین ستم ہائے روزگار	لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا
عاشقی صبر طلب اور تمنا بے تاب	دل کا کیا حال کروں خون جگر ہونے تک
کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیر نیم کش کو	یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا
سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت ہے	کہ دامان خیال یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے
دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا	میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے
بس ہجوم ناامیدی خاک میں مل جائے گی	وہ جو اک لذت ہماری سعی بے حاصل میں ہے
جان کر کیجے تغافل کہ کچھ امید بھی ہو	یہ نگاہ غلط انداز تو سم ہے ہم کو

ارباب شوق غور کریں کہ ان اشعار میں سے ہر شعر وسعت و حقیقت مضمون کے لحاظ سے ایک دفتر سے کم نہیں۔

کسی ایسے مضمون کا تلاش کرنا جو کسی کے ذہن میں نہ گذرا ہو بڑا ہنر ہے لیکن ہمارے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر کمال ان مضامین کا ادا کرنا ہے جو عام دل لوگوں کے ہر وقت پیش نظر رہتے ہیں اور جن سے ہر صاحب درد واقف ہوتا ہے لیکن جن کا اظہار بذریعہ الفاظ نہیں ہو سکتا۔

اس قسم کے خیالات کا قید بیان میں لانا ہر شخص کا کام نہیں ہے۔ لاریب مرزا نے مندرجہ بالا اشعار میں جذبہ نگاری کا وہ کمال صرف کیا ہے جس کی مثال نہ صرف ایشیائی شاعری تو کیا مغربی شاعری میں بھی بدقت دستیاب ہو گی۔

کلام غالب کے صفات معنوی میں دوسرے درجے پر وہ خصوصیت ہے جس کو نزاکت معنی سے تعلق ہے اور یہی وہ خوبی ہے جس سے مرزا کے اشعار کی دلچسپی توجہ اور غور کے ساتھ افزوں ہوتی جاتی ہے۔ جب پڑھیے گا نیا سرور حاصل ہو گا۔ اور جب بار دیکھیے گا وسعت مضمون اور نزاکت معنی کی کیفیتوں کو نئی اور پہلے سے بہتر صورت میں جلوہ گر پائیگا۔ مثلاً

(۱) کہتے ہو نہ دیں گے ہم دل اگر پڑا پایا	دل کہاں کہ گم کیجے ہم نے مدعا پایا

سرسری غور پر ملاحظہ کیجیے تو اس شعر کا مفہوم معمولی معلوم ہوتا ہے لیکن نگاہ غور سے دیکھیے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ "ہم نے مدعا پایا یعنی ہم آپ کا مطلب سمجھ گئے کہ آپ نے ہمارا دل پا لیا ہے اور یہ باتیں کہ اگر ہم تیرا دل پائیں گے تو نہ دیں گے دل پا لینے کے بعد کی ہیں۔ یعنی جیسے لوگ گم شدہ چیز پا کر چھپانے کے لیے مالک شے سے کہا کرتے ہیں"

(۲) تو دوست کسی کا بھی ستمگر نہ ہوا تھا	اوروں پہ ہے وہ ظلم کہ مجھ پر نہ ہوا تھا

اس کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ تو کسی کا بھی دوست نہیں ہے اور تیرا جور مجھی پر نہیں ہے بلکہ اوروں پر بھی ہے اور مجھ سے زیادہ ہے۔ لیکن غور کرنے سے یہ

بھی مطلب ممکن ہے کہ شاعر کہتا ہو کہ "جو ظلم مجھ پر نہیں ہوا وہ تو اوروں پر کر رہا ہے اور مجھے چونکہ شرکت اغیار کسی صورت سے گوارا نہیں ہے اس لیے تیرا ظلم نہ کرنا بھی گویا مجھ پر ایک ظلم عظیم ہے۔ پس معلوم ہو گیا کہ میرے متعلق تیرا تغافل جو رہا ہے دوستی نہیں ہے"

(۳) کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق		ہے مکرر لب ساقی پہ صلا میرے بعد

اس شعر کے ظاہر معنی یہ ہیں کہ جب سے میں مر گیا ہوں شراب مرد افگن عشق کا ساقی یعنی معشوق بار بار صلا دیتا ہے یعنی لوگوں کو شراب عشق کی طرف بلاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرے بعد کوئی شراب عشق کا خریدار نہیں رہا اس لیے اس کو بار بار صلا دینے کی ضرورت ہوئی ہے۔

مگر زیادہ غور کرنے کے بعد جیسا کہ مرزا خود بیان کرتے تھے اس میں ایک نہایت لطیف معنی پیدا ہوتے ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ پہلے مصرع کو مکرر پڑھ رہا ہے۔ ایک دفعہ بلانے کے لہجے میں پڑھتا ہے "کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق" یعنی کوئی ہے جو مے مرد افگن عشق کا حریف ہو؟ پھر جب اس آواز پر کوئی نہیں آتا تو اسی مصرعے کو مایوسی کے لہجے میں مکرر پڑھتا ہے۔ "کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق" یعنی کوئی نہیں ہوتا۔ (از یادگار غالب)

(۴) کیونکر اس بت سے رکھوں جان عزیز		کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز ✓

اس شعر سے دو نازک معنی پیدا ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ اس بت پر جان قربان کرنا عین ایمان ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ بت میرا ایمان ہے پس جان ایمان پہ ہے قربان۔

(۵) مجھ کو دیار غیر میں مارا وطن سے دور		رکھ لی مرے خدا نے مری بےکسی کی شرم

"رکھ لی مرے خدا نے مری بےکسی کی شرم" کیونکہ دیار غیر میں میرا کوئی آشنا سا نہ تھا اس لیے اگر وہاں بےکسی اور کس مپرسی کی حالت میں موت آئی تو کچھ زیادہ ذلت نہ ہوئی یا یہ کہ وطن سے دور مارے جانے میں بےکسی کی شرم رہ گئی کیونکہ وطن میں مارا جاتا تو بےکسی کی تکمیل نہ ہوتی۔

(۶) قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں		میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

"میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں"۔ یعنی مجھکو معلوم ہے کہ وہ کچھ نہ لکھیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اُن کی جانب سے کسی تحریر کے آنے کی امید ہوتی تو دوسرا خط لکھنے کے لیے اس کا انتظار کیا جاتا۔ لیکن چونکہ مجھ کو خوب معلوم ہے کہ وہ کچھ نہ لکھیں گے اس لیے جواب خط کا انتظار بے کار ہے چاہیے کہ "قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں"۔

(۷) کہ دوستی کا پردہ ہے بیگانگی		منہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیے

کہتا ہے کہ تم مجھ سے خصوصیت کے ساتھ منہ چھپانا چھوڑ دو۔ یعنی جس طرح سب کے ساتھ بے تکلف بے حجاب اور بیگانہ وار رہتے ہو اسی طرح میرے ساتھ بھی رہو کیونکہ اس قسم کی بیگانگی دوستی کا پردہ ہوتی ہے یعنی اس سے لوگوں کو محبت کا حال معلوم نہیں ہونے پاتا۔

مثلاً یہ چند اشعار اور اُن کے علاوہ اور بہت سے شعر ایسے ہیں جن کے مفہوم پر جس قدر غور کیجیے گا اُسی قدر اس کی نزاکت دریافت ہوتی جائیگی۔

ان چند مخصوص خوبیوں کے علاوہ مرزا کا کلام شاعری کے عام محاسن کے اعتبار سے بھی ممتاز نظر آتا ہے۔

استعاروں کی ندرت تشبیہوں کی تازگی اور اشاروں کی نزاکت و لطافت کی مثالوں سے مرزا کا دیوان بھرا پڑا ہے۔

عامیانہ مذاق اور تبذل بازاری الفاظ نیز فحش اور ہجو سے مرزا کا کلام بالکل پاک ہے۔ مرزا کی شاعری عاشقانہ ضرور ہے۔ لیکن اُنھوں نے عشق کے معنی بوالہوسی کے نہیں لیے ہیں اور اس لیے اُن کے خیالات میں رکاکت اور پستی کے بجائے متانت اور شائستگی کی ایسی شان پائی ہے جس کی مثال شعرائے لکھنؤ کے کلام میں ناپید ہے اور متاخرین شعرائے دہلی کے کلام میں کمیاب۔

ہم نے مرزا کی شاعری کے باب میں جو کچھ لکھا ہے وہ اس کی مجموعی حیثیت کے

لحاظ سے لکھا ہے ورنہ از قبیل شاذ اُن کے دیوان میں ایسے اشعار اور الفاظ بھی موجود ہیں جن پر مذاقِ صحیح اور زبانِ صحیح دونوں کی جانب سے اعتراض وارد ہو سکتے ہیں مثلاً۔

۱۔ ہمیں میں گنڈے تیرے ہیں جو کچھ ہے سو وہ میرے ۔۔۔ گنڈا بھی کہاں روں کو بدلنے نہیں دیتے

اس شعر کا مذاق مرزا کی شانِ شاعری کے بالکل خلاف ہے جسے ہم عام طور پر عامیانہ خیالات اور الفاظ سے پاک بیان کر چکے ہیں۔

۲۔ غم کھانے میں بودا دلِ ناکام بہت ہے ۔۔۔ یہ رنج کہ کم ہے مئے گلفام بہت ہے

۳۔ بھوں پاس آنکھ قبلۂ حاجات چاہیے ۔۔۔ مسجد کے زیرِ سایہ خرابات چاہیے

۴۔ جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا ۔۔۔ کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے

یہاں دوسرے شعر میں "بودا" تیسرے میں "بھوں" اور چوتھے میں "کریدتے ہو" بنہایت ناگوار اور ثقیل الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔

۵۔ خدا شرمائے ہاتھوں کو کہ رکھتے ہیں کشاکش میں ۔۔۔ کبھی میرے گریباں کو کبھی جاناں کے دامن کو

اس شعر میں پہلا مصرعہ خوب ہے لیکن دوسرے شعر میں "جاناں کا دامن" نہایت غیر فصیح واقع ہوا ہے۔

۶۔ بیٹھا ہے جو کہ سایۂ دیوارِ یار میں ۔۔۔ فرماں روائے کشورِ ہندوستان ہے

یہاں کشورِ ہندوستان کی فارسی ترکیب میں اعلانِ نون غلط ہے۔ اگرچہ اس کی نسبت یہ تاویل ہو سکتی ہے کہ مرزا کے وقت تک ایسا کرنا ناجائز نہیں سمجھا جاتا تھا۔

۷۔ دل اس کو پہلے ہی ناز و ادا سے دے بیٹھے ۔۔۔ ہمیں دماغ کہاں حسن کے تقاضا کا

یہاں "تقاضے کا" کی جگہ "تقاضا کا" بالکل بے قاعدہ اور محض بضرورتِ قافیہ استعمال کیا گیا ہے۔

۸۔ سادہ پرکار ہیں خوباں غالب الخ

یہاں خوباں کا لفظ اردو محاورے کے خلاف ہے۔

۹۔ قیامت ہے کہ ہووے مدعی کا ہمسفر غالب ۔۔۔ وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے

۱۰۔ شبنم بہ گلِ لالہ نہ خالی ز ادا ہے — داغ دل بے درد نظرگاہ حیا ہے

ان دونوں شعروں میں "نہیں" کی جگہ "نہ" غلط آیا ہے۔

۱۱۔ آمدِ سیلابِ طوفانِ صدائے آب ہے — نقشِ پا جو کان میں رکھتا ہے انگلی جادہ سے
بزمِ مے وحشت کدہ ہے کس کی چشمِ مست کا — شیشے میں نبضِ پری پنہاں ہے موجِ بادہ سے

یہاں پر دوسرے شعر پر نظر کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ قافیہ "بادہ" اور "جادہ" ہے۔ لیکن پہلے شعر میں اردو ترکیب کے اعتبار سے "جادے سے" چاہیے نہ کہ "جادہ سے" اور اس لیے قافیہ غلط ٹھہرتا ہے۔

۱۲۔ اور میں وہ ہوں کہ گر جی میں کبھی غور کروں — غیر کیا خود مجھے نفرت مری اوقات سے ہے

یہاں پر قاعدے کی رو سے "مجھے" کے بعد "اپنی اوقات سے" آنا چاہیے تھا لیکن مرزا نے خلاف قاعدہ "مجھے میری اوقات سے نفرت ہے" نظم کر دیا ہے۔

مولوی سید علی حیدر صاحب طباطبائی نظم لکھنوی نے اپنی شرح دیوان غالب میں مرزا کی اس قسم کی اور بھی بہت سی غلطیاں دکھائی ہیں جن کا کچھ جواب نہیں ہو سکتا۔

ہمارے نزدیک صحت زبان و محاورہ کی جانب سے بے پروائی مرزا ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ شعرائے دہلی عموماً خوبی مضمون کے مقابلے میں درستی الفاظ کا زیادہ خیال نہیں رکھتے ہیں۔

زبان کے معاملے میں غالب کے دہلی ہم عصروں میں سے استاد ذوق سب سے زیادہ محتاط ہیں اور اسی لحاظ سے ہمارے نزدیک اگرچہ بحیثیت مجموعی غالب ذوق و مومن سے افضل ہیں لیکن صرف اردو شاعری کے لحاظ سے ذوق کا درجہ غالب سے اور غالب کا مرتبہ مومن سے بلند ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ردیف الف

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا	۱	کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا
کاو کاوِ سخت جانیہائے تنہائی نہ پوچھ	۲	صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا
جذبۂ بے اختیارِ شوق دیکھا چاہیے	۳	سینۂ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا
آگہی دامِ شنیدن جس قدر چاہے بچھائے	۴	مدعا عنقا ہے اپنے عالمِ تقریر کا

مقطع

بسکہ ہوں غالب اسیری میں بھی آتش زیر پا
موئے آتش دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا

۱ نقش یعنی تصویر۔ تصویر چونکہ کاغذ پر ہوتی ہے اس لیے اُسے فریادی کہا کیونکہ ولایت میں فریادی کاغذی پیرہن پہن کر عدالت میں جاتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ہستی چونکہ موجبِ ملال و آزار ہے۔ اس لیے تصویر بھی اپنے صانع کی بزبانِ حال شکایت کرتی ہے کہ مجھکو ہست کرکے کیوں مبتلائے رنجِ ہستی کیا۔ (ماخوذ از عودِ ہندی)۔ مقصودِ شاعر یہ ہے کہ ہستی بہرحال (یعنی اگرچہ مثل ہستی تصاویر اعتبارِ محض ہو) موجبِ آزار ہے ۱۲

۲ یعنی شبہائے ہجر کا کاٹنا ویسا ہی سخت ہے جیسا کہ فرہاد کے لیے جوئے شیر کا لانا تھا۔ صبح کی سپیدی اور جوئے شیر میں جو مشابہت ہے وہ ظاہر ہے۔ "کاو کاو" سے کاوش و کاہش مراد ہے ۱۲

۳ یعنی عاشق کے شوقِ شہادت کی کشش کا یہ اثر ہے کہ دمِ شمشیر سینۂ شمشیر سے باہر نکلا پڑتا ہے

۴ یعنی ہماری تقریر ایسی ہے کہ اس کے مفہوم سے (باوجود کوشش بسیار) کوئی آگاہی نہیں حاصل

کرسکتا۔ "دامِ شنیدن بچھائیے" یعنی سُن کر سمجھنا چاہیئے۔ ۱۲

سلہ آتش زیرِ پا محاورہ فارسی میں بے قرار کو کہتے ہیں۔ موئے آتش دیدہ یعنی بال جو آگ کو دیکھ کر حلقہ دار اور بلکہ زرد ہوگیا ہو اور اس میں حلقۂ زنجیر کی مشابہت پیدا ہوگئی ہو۔

مطلب یہ ہے کہ میرے جنونِ بے قرار کے مقابلے میں حلقہ ہائے زنجیر کی مضبوطی کی کچھ ہستی نہیں ہے۔ آتش زیر پا کی رعایت سے غالب نے حلقۂ زنجیر کو موئے آتش دیدہ کہا ہے۔

شمارِ سبحہ مرغوبِ بتِ مشکل پسند آیا	سلہ	تماشائے بیک کف بردنِ صد دل پسند آیا
بہ فیضِ بیدلی نومیدیٔ جاوید آساں ہے	سلہ	کشائش کو ہمارا عقدۂ مشکل پسند آیا
ہوائے سیرِ گل آئینۂ بے مہریٔ قاتل	سلہ	کہ اندازِ بخوں غلطیدنِ بسمل پسند آیا

سلہ	جراحت تحفہ، الماس ارمغاں، داغِ جگر ہدیہ مبارکباد اسدؔ غمخوارِ جانِ دردمند آیا

سلہ تسبیح میں چونکہ سو دانے ہوتے ہیں اس لئے ظاہر ہے کہ شمارِ سبحہ سے "بیک کف بردنِ صد دل" کی تشبیہ نکلتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ محبوب کو شمارِ سبحہ اس وجہ سے پسند ہے کہ اس میں حسبِ خواہش و عادتِ محبوب ایک ہی دور میں سو سو دل لے لینے کی مشابہت پائی جاتی ہے۔ ۱۲

سلہ کشائش نے اپنا عمل کرنے کے لیے ہمارے عقدۂ مشکل (نومیدی جاوید) کو پسند کیا اور ہماری مشکل آسان ہوگئی۔ اس طور پر کہ ہم کو دنیا کی جانب سے جو بیدلی پیدا ہوگئی ہے اس کے سبب سے صدمۂ نومیدیٔ جاوید کا برداشت کرنا آسان ہوگیا ہے۔ کیونکہ غایت بیدلی کی حالت میں امید و ناامیدی یکساں ہوجاتی ہیں۔

سلہ مطلب یہ ہے کہ خواہشِ سیرِ گل سے اُس بے درد کی بے مہری ظاہر ہوتی ہے کیونکہ اس کا تماشائے گل صرف اس وجہ سے پسند ہے کہ گل اپنی سرخی کی بنا پر بسمل بخوں غلطیدہ سے مشابہ ہوتا ہے۔

سلہ غمخوارِ جانِ دردمند یعنی عشق آیا ہے اور جراحت و الماس و داغِ جگر بطور ہدیہ ہمراہ لایا ہے ایسے ہدیوں پر مبارکباد و شکر رقیق ایذا دوستی کا اظہار کیا ہو۔ ان کے کھانے سے دل دلگیر نہیں ہوجاتے ہیں۔ ۱۲

جز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار	سلہ	صحرا مگر بہ تنگیٔ چشمِ حسود تھا
آشفتگی نے نقشِ سویدا کیا درست	سلہ	ظاہر ہوا کہ داغ کا سرمایہ دود تھا

تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ ۔ جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سود تھا

لیتا ہوں مکتبِ غمِ دل میں سبق ہنوز ۔ ؎ ۔ لیکن یہی کہ رفت گیا اور بود تھا

ڈھانپا کفن نے داغِ عیوبِ برہنگی ۔ میں ورنہ ہر لباس میں ننگِ وجود تھا

تیشے بغیر مر نہ سکا کوہکن اسدؔ ۔ سرگشتۂ خمارِ رسوم و قیود تھا

ڈھانپا کفن نے داغ

لہ چشمِ حاسد کی تنگی مشہور ہے یہیں کہتا ہے کہ شاید صحرا بھی چشمِ حاسد کے مانند تنگ تھا کہ مجنوں کے سوا صحرا نوردی کا پھر کوئی مرد میدان نہ نکلا ۔ ۱۲

سلہ سویدا کو داغ سے اور آشفتگی کو دود سے تشبیہ دی ہے مقصود شاعر یہ ہے کہ جس طرح دھوئیں سے داغ پیدا ہو جاتا ہے ۔ اسی طرح آشفتہ خاطری اور پریشانی کے دود سے دل میں داغِ سویدا کی صورت قائم ہوتی ہے

سلہ یعنی ہنوز مبتدی ہوں ۔ جس طرح لڑکے پہلے آمد نامہ پڑھتے ہیں رفت کے معنی گیا اور بود کے معنی تھا وغیرہ ۔ لطف یہ ہے کہ رفت و بود دونوں ماضی کے صیغے ہیں جس سے مطلب یہ ہے کہ دل اب عیش و فراغت سے بالکل محروم ہے

کہتے ہو نہ دیں گے ہم دل اگر پڑا پایا ۔ لہ ۔ دل کہاں کہ گم کیجے ہم نے مدعا پایا

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا ۔ سلہ ۔ درد کی دوا پائی دردِ بے دوا پایا

دوستدارِ دشمن ہے اعتمادِ دل معلوم ۔ سلہ ۔ آہ بے اثر دیکھی نالہ نارسا پایا

سادگی و پرکاری بے خودی و ہشیاری ۔ سلہ ۔ حسن کو تغافل میں جرأت آزما پایا

غنچہ پھر لگا کھلنے آج ہم نے اپنا دل ۔ ھلہ ۔ خوں کیا ہوا دیکھا گم کیا ہوا پایا

حالِ دل نہیں معلوم لیکن اس قدر یعنی ۔ ہم نے بارہا ڈھونڈا تم نے بارہا پایا

شورِ پندِ ناصح نے زخم پر نمک چھڑکا ۔ سلہ ۔ آپ سے کوئی پوچھے تم نے کیا مزا پایا

لہ ہم نے مدعا پایا یعنی ہم آپ کا مطلب سمجھ گئے کہ آپ نے ہمارا دل پا لیا ہے اور بہانہ یہ کر رہے ہیں "اگر ہم تیرا دل پائیں گے تو نہ دیں گے" دل پا لینے کے بعد کی ہے یعنی جیسے لوگ کوئی گم شدہ چیز پا کر چھیڑنے کے لیے مالک سے کہا کرتے ہیں ۔

سلہ عشق ایک درد لا دوا ہے لیکن وہی عشق دردِ زیست کی دوا بھی ہے کیونکہ اسی سے طبیعت نے زندگی کا مزا پایا ورنہ بغیر عشق کے زندگی گویا ایک درد تھی ۔

۳ ہمارا دل دشمن کا دوست ہے اس لیے کہ اس نے جو آہ کی تو بے اثر ادا کی تو نارسا پس اس کا کیا اعتبار ہے۔ یہاں شاید دشمن سے دشمنِ عشاق یا دشمنِ دین و ہوش کہ محبوب مراد ہے۔

۴ اہلِ حسن کی ظاہری سادگی اور بے پروائی سے مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنے مشتاقوں کی جرأت کو آزمائیں یعنی یہ دیکھیں کہ ان کو سادہ سمجھ کر اربابِ اشتیاق جرأت گستاخی تو نہیں کرتے اس سے غرض یہ ہے کہ اس قسم کی سادگی کو درحقیقت پرکاری اور بیخودی کو ہشیاری سمجھنا چاہیے۔ ۱۲

۵ یعنی غنچہ کو دیکھ کر ہم کو اپنا دل گم گشتہ و خون شدہ یاد آیا کہ اس کی بھی یہی ہیئت تھی۔ یا یہ کہ آمدِ فصلِ گل سے ہمارا جوشِ جنوں پھر تازہ ہو گیا ۱۲ - پایا یعنی معلوم کیا ہے

۶ آپ سے یعنی ناصح سے - آپ کا لفظ بطورِ طنز استعمال کیا گیا ہے۔

دل مرا سوزِ نہاں سے بے محابا جل گیا ۔۔۔ آتشِ خاموش کی مانند گویا جل گیا

دل میں ذوقِ وصل و یادِ یار تک باقی نہیں ۔۔۔ آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا

میں عدم سے بھی پرے ہوں ورنہ غافل بارہا ۔۔۔ ۱ ۔۔۔ میری آہِ آتشیں سے بالِ عنقا جل گیا

عرض کیجے جوہرِ اندیشہ کی گرمی کہاں ۔۔۔ ۲ ۔۔۔ کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل گیا

دل نہیں تجھ کو دکھاتا ورنہ داغوں کی بہار ۔۔۔ ۳ ۔۔۔ اس چراغاں کا کروں کیا کارفرما جل گیا

میں ہوں اور افسردگی کی آرزو غالب کہ دل
دیکھ کر طرزِ تپاکِ اہلِ دنیا جل گیا

۱ اپنی نیستی کا حال بہ مبالغہ بیان کرتا ہے کہ پہلے جب میں فنا کے عالم میں تھا تو بارہا میری آہِ آتشیں سے بازوئے عنقا جل گیا کہ وہ بھی عدم میں تھا لیکن اب تو میں اس درجہ عدم سے بھی پرے ہوں۔

۲ عرض کیجے یعنی پیش کیجے۔ جوہرِ اندیشہ کی گرمی کا بیان یہ ہے کہ وحشت کا صرف خیال کیا تھا کہ اسکے اثر سے صحرا جل گیا۔ یعنی چونکہ وحشت کی حالت میں صحرا نوردی کی نوبت ضرور آتی اس لیے خیالِ وحشت سے صحرا جلنے لگا۔

۳ کارفرما یعنی حکم فرما۔ ہر کام کے لیے ایک کام لینے والا (کارفرما) اور بہت سے کام کرنے والے

دکھائی دیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دل جو اپنے چراغاں یعنی داغوں کی بہار کا کافر ماجرا تھا وہی تندر پا ورشہ مجھکو اس چراغاں کی کیفیت دکھاتا ہے۔ ۱۲

شوق ہر رنگ رقیبِ سر و ساماں نکلا	۱	قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا
زخم نے داد نہ دی تنگیٔ دل کی یارب	۲	تیر بھی سینۂ بسمل سے پر افشاں نکلا
بوئے گل نالۂ دل دودِ چراغِ محفل		جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا
دلِ حسرت زدہ تھا مائدۂ لذتِ درد	۳	کام یاروں کا بقدرِ لب و دنداں نکلا
اے نو آموزِ فنا ہمتِ دشوار پسند	۴	سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آساں نکلا

دل میں پھر گریے نے اک شور اٹھایا غالب
آہ جو قطرہ نہ نکلا تھا سو طوفاں نکلا

۱ شوق یعنی عشق۔ رقیب دشمن۔ مطلب یہ ہے کہ عشق سر و سامان کا دشمن ہے دیکھو کہ مجنوں تصویر میں بھی عریاں رہتا ہے۔ بقول غالب قیس کی تصویر عریاں ہی کھینچی جاتی ہے۔ ۱۲

۲ "زخم نے داد نہ دی تنگیٔ دل کی" یعنی تنگیٔ دل کو زائل نہ کیا۔

مطلب یہ ہے کہ تیر تو تنگ مقام سے گھبرا کر پر افشاں اور سراسیمہ نکل گیا وہ تنگیٔ دل کی داد کیا دیتا (عود ہندی) اس شعر میں زخمِ تیر کی توہین بسبب ایک زخم ہونے کے کی ہے۔ مثلاً ایک دوسرے شعر میں بھی زخمِ تیغ کو جراحتِ پیکاں پر فوقیت دی ہے۔ کہتا ہے

نہیں ذریعۂ راحت جراحتِ پیکاں		وہ زخمِ تیغ ہے جس کو کہ دل کشا کہیے

۳ یعنی میرے یارانِ عشق میں سے ہر ایک میری حسرتِ دل سے بقدرِ استعداد متاثر ہوا۔

۴ درسِ فنا نہایت مشکل سمجھا جاتا ہے لیکن اے ہمتِ دشوار پسند یہ تو بڑی مشکل ہوئی کہ نو آموزی ہی کی حالت میں اس کی آسانی تجھ پر کھل گئی اور اب تیرے طے کرنے کے لیے اس سے بھی زیادہ دشوار مرحلہ درکار ہوا۔

مطلب یہ ہے کہ میری ہمتِ دشوار پسند کے لیے فنا سے بالاتر کوئی مرتبہ چاہیے۔ کیونکہ فنا سے ایک آسان مرحلہ ثابت ہوا۔ ۱۲

دھمکی میں مر گیا جو نہ باب نبرد تھا له عشق نبرد پیشہ طلبگار مرد تھا

تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا اڑنے سے پیشتر بھی مرا رنگ زرد تھا

تالیف نسخہ ہائے وفا کر رہا تھا میں عه مجموعۂ خیال ابھی فرد فرد تھا

دل تا جگر کہ ساحل دریائے خوں ہے اب سه اس رہ گزر میں جلوۂ گل آگے گرد تھا

جاتی ہے کوئی کشمکش اندوہ عشق کی ـه دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا درد تھا

احباب چارہ سازی وحشت نہ کر سکے زنداں میں بھی خیال بیاباں نورد تھا

یہ لاش بے کفن اسدؔ خستہ جاں کی ہے
حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

له باب نبرد یعنی لائق نبرد - مرد میدان عشق

عه یعنی ابتدا ہی سے میں بندۂ عشق و وفا ہوں جب کہ خیالات میں پختگی اور جمعیت بھی نہیں آئی تھی -

سه اس رہگذر میں (یعنی دل سے جگر تک) کسی زمانے میں شادابی کا یہ عالم تھا کہ جلوۂ گل اس کے آگے گرد تھا یا اب یہ کیفیت ہے کہ وہی رہ گزر دریائے خون کا ساحل بنا ہوا ہے ۱۲-

ـه یعنی دل کے جانے کے بعد بھی اندوہ عشق کی کشمکش نہ گئی کیونکہ اس حالت میں دل کے جانے کا افسوس رہا بقول میر تقی ؎

غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا دم کے جانے کا نہایت غم رہا

دہر میں نقش وفا وجہ تسلی نہ ہوا له ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا

سبزۂ خط سے ترا کاکل سرکش نہ دبا عه یہ زمرد بھی حریف دم افعی نہ ہوا

میں نے چاہا تھا کہ اندوہ وفا سے چھوٹوں وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا

دل گزرگاہ خیال مے و ساغر ہی سہی سه گر نفس جادۂ سر منزل تقوی نہ ہوا

ہوں ترے وعدہ نہ کرنے میں بھی راضی کہ کبھی ـه گوش منت کش گلبانگ تسلی نہ ہوا

کس سے محرومی قسمت کی شکایت کیجیے ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں سو وہ بھی نہ ہوا

مقطع
مر گیا صدمۂ یک جنبش لب سے غالب
ناتوانی سے حریف دم عیسی نہ ہوا

۱ لفظ وفا کا مفہوم حقیقی مفقود ہو گیا ہے مثلاً آن کل کے ریفارمروں کی تقریروں میں الفاظ قوم و قوم کا مفہوم۔ پس جب معنی معدوم ہیں تو صرف نقشِ لفظ وفا سے کیونکر تسلی ہو سکتی ہے۔

۲ کہتے ہیں کہ عکس زمرد سے سانپ اندھا ہو کر مغلوب ہو جاتا ہے۔ لیکن یہاں اُلٹا معاملہ ہے کہ زمرد (سبزۂ خط) افعی (کاکل) کا حریف نہیں ہو سکتا۔

۳ سرمنزل یعنی منزل۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تقویٰ ممکن نہیں ہے تو رندی ہی سہی ۱۲۔

۴ میں تو اسی میں بھی راضی ہوں کہ تو نے وعدہ نہ کیا کیونکہ اگر تو ازراہِ لطف کرتا تو میرے کان اُن الفاظ تسلی کے احسان مند ہوتے حالانکہ مجھ کو یہ پسند نہیں ہے۔ اسی قسم کے مضمون کا ایک دوسرا شعر بھی ہے:

؎ درد منت کش دوا نہ ہوا ۔ میں نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا

۵ دم عیسوی کا اعجاز مشہور ہے کہ اس سے مردے زندہ اور بیمار شفایاب ہو جاتے تھے۔ لیکن شاعر کہتا ہے کہ میرے معاملے میں ابھی حضرت عیسیٰ کے منہ سے کوئی لفظ بھی نہ نکلا تھا اور لبوں کو جنبش ہی ہوئی تھی کہ میں اس جنبش لب کے صدمے سے مر گیا اور مجھ کو دم عیسیٰ سے سابقہ نہ پڑا ۱۲۔

ستائش گر ہے زاہد اس قدر جس باغ رضواں کا ۔ ۱ ۔ وہ اک گلدستہ ہے ہم بیخودوں کے طاق نسیاں کا
بیاں کیا کیجیے بیداد کاوشہائے مژگاں کا ۔ ۲ ۔ کہ ہر اک قطرۂ خوں دانہ ہے تسبیح مرجاں کا
نہ آئی سطوت قاتل بھی مانع میرے نالوں کو ۔ ۳ ۔ لیا دانتوں میں جو تنکا ہوا ریشہ نیستاں کا
دکھاؤں گا تماشا دی اگر فرصت زمانے نے ۔ مرا ہر داغ دل اک تخم ہے سرو چراغاں کا
کیا آئینہ خانے کا وہ نقشہ تیرے جلوے نے ۔ کرے جو پرتو خورشید عالم شبنمستاں کا
مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی ۔ ۴ ۔ ہیولیٰ برق خرمن کا ہے خون گرم دہقاں کا
اُگا ہے گھر میں ہر سو سبزہ ویرانی تماشا کر ۔ مدار اب کھودنے پر گھاس کے ہے میرے درباں کا
خموشی میں نہاں خوں گشتہ لاکھوں آرزوئیں ہیں ۔ چراغ مردہ ہوں میں بے زباں گور غریباں کا
ہنوز اک پرتو نقش خیال یار باقی ہے ۔ ۵ ۔ دل افسردہ گویا حجرہ ہے یوسف کے زنداں کا
بغل میں غیر کی آج آپ سوتے ہیں کہیں ورنہ ۔ سبب کیا خواب میں آ کر تبسم ہائے پنہاں کا
نہیں معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہو گا ۔ ۶ ۔ قیامت ہے سرشک آلودہ ہونا تیری مژگاں کا
نظر میں ہے ہماری جادۂ راہ فنا غالب ۔ ۷ ۔ کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجزائے پریشاں کا

کرتا ہے کہ ہم بیخودی کے ایسے خوش گوار عالم میں پہنچ گئے ہیں جس کے مقابلے میں ہم نے جنت کو فراموش کر دیا ہے۔

۳؎ جس طرح تسبیح کے دانوں میں دھاگا ہوتا ہے اسی طرح مژگان یار کی کاوش نے میرے ہر قطرۂ خون کی یہ کیفیت ہو گئی ہے۔ ۱۲

۴؎ میں نے دانتوں میں تنکا اظہار عجز کے لیے لیا تھا لیکن وہ ریشۂ نیستان ہو گیا یعنی قاتل کا رعب داب میرے نالوں کو روک بیٹھا۔ تنکے کو ریشۂ نیستان اس لیے کہا کہ نے سے آواز نالہ پیدا ہوتی ہے۔ ۱۲

۵؎ ہیولیٰ یعنی مادہ۔ خون گرم مجازاً بمعنی سعی و کوشش ہے۔

دہقان کے خون کی گرمی جو فراہمی خرمن کی سعی و مشقت سے پیدا ہوتی ہے وہی گویا اس کے خرمن کے لیے برق ہو جاتی ہے اس لیے کہ نہ وہ خرمن اکٹھا کرتا نہ اس کی بربادی کی نوبت ہوتی۔ ۱۲

مصرعۂ ثانی مصرعۂ اول کی مثال ہے۔ اس شعر میں ایک فلسفیانہ مسئلہ شاعرانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے یعنی یہ کہ ہر شے کا وجود ہی اس کے فنا ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ فقط

۶؎ خیال یار کو یوسف اور دل افسردہ کو حجرۂ زندان یوسف قرار دیا ہے۔ ۱۲

۷؎ معلوم نہیں کہ تیری جفا سے بکس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا جس کی ندامت کے باعث سے تیری آنکھیں سرشک آلود ہیں۔ یا یہ کہ نہیں معلوم تیرے رونے سے کتنوں کو رلایا ہوگا۔

۸؎ یعنی راہ فنا ہر وقت ہمارے پیش نظر رہتی ہے۔ ۱۲

جادۂ راہ فنا کو دنیا کے اجزائے پریشاں کا شیرازہ اس لیے کہا ہے کہ جملہ موجودات عالم فنا ہونے کے معاملے میں ایک ہی روش رکھتے ہیں کیونکہ سب کے لیے فنا ہونا یقینی ہے۔

نہ ہوگا یک بیاباں ماندگی سے ذوق کم میرا	۱؎	حباب موجۂ رفتار ہے نقش قدم میرا
محبت تھی چمن سے لیکن اب یہ بے دماغی ہے		کہ موج بوئے گل سے ناک میں آتا ہے دم میرا

۱؎ یک بیابان ماندگی یعنی کثرت ماندگی۔ ذوق یعنی ذوق رہ نوردی۔ نقش قدم کو حباب اور رفتار کو موجہ قرار دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح حباب موج کے ساتھ ہی ساتھ چلتا ہے اور کبھی ماندہ نہیں ہوتا اسی طرح میرا ذوق صحرانوردی بھی کسی طرح کم نہ ہوگا۔

سراپا رہن عشق و ناگزیر الفت ہستی	۱؎	عبادت برق کی کرتا ہوں اور افسوس حاصل کا
۲؎	بقدر ظرف ہے ساقی خمار تشنہ کامی بھی جو تو دریائے مے ہے تو میں خمیازہ ہوں ساحل کا	

۱؎ افسوس حاصل کا یعنی اپنی ہستی کا۔ برق یعنی برق عشق۔ مطلب یہ ہے کہ میں طاعت گزار ہوں برق عشق کا اور طالب ہوں فنا کا لیکن ساتھ ہی اس کے چونکہ الفت ہستی فطرت انسانی میں داخل ہے اس لیے جان بھی عزیز ہے۔ پس میں اس حاصل یعنی ہستی کا افسوس کرتا ہوں جس سے میرے کمال شوق فنا میں کسی قدر نقص بھی وارد ہے۔۱۲

مختصر یہ کہ میں موت کا طلبگار ہوں اور اپنی ایسی زندگی پر افسوس کرتا ہوں جس پر موت کو ترجیح ہے۔

۲؎ ساقی کو دریائے شراب اور خود کو اس کے ساحل کا خمیازہ قرار دیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر شراب پلانے میں ساقی کی ہمت بڑھی ہوئی ہے تو مجھ میں بھی اسی کی نسبت سے بادہ نوشی کی قوت موجود ہے۔۱۲

محرم نہیں ہے تو ہی نوا ہائے راز کا	۱؎	یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا
رنگ شکستہ صبح بہار نظارہ ہے	۲؎	یہ وقت ہے شگفتن گل ہائے ناز کا
تو اور سوئے غیر نظر ہائے تیز تیز		میں اور دکھ تری مژہ ہائے دراز کا
صرفہ ہے ضبط آہ میں میرا وگرنہ میں	۳؎	طعمہ ہوں ایک ہی نفس جاں گداز کا
ہیں بسکہ جوش بادہ سے شیشے اچھل رہے	۴؎	ہر گوشۂ بساط ہے سر شیشہ باز کا
کاوش کا دل کرے ہے تقاضا کہ ہے ہنوز	۵؎	ناخن پہ قرض اس گرہ نیم باز کا
	تاراج کاوش غم ہجراں ہوا اسدؔ سینہ کہ تھا دفینہ گہر ہائے راز کا	

۱؎ یاں یعنی دنیا میں۔ حجاب یعنی پردہ جس کو پردہ ساز کے ساتھ مناسبت لفظی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ راز کے نغموں سے تو خود ہی ناآشنا ہے ورنہ دنیا میں جو بظاہر حجاب نظر آتے ہیں وہ بھی پردہ ساز کی طرح بول رہے ہیں اور بج رہے ہیں اور اسرار الٰہی ظاہر کر رہے ہیں" (یادگار غالب)

۲؎ شب وصل کی صبح کو محبوب کا رنگ شکستہ "صبح بہار نظارہ ہے" یعنی اس کی دل پذیری قابل دید ہے۔ اس لیے کہ گل ہائے ناز کے شگفتہ ہونے یعنی اس کے سرگرم ناز دکھانا ہونے کا یہی خاص وقت ہے۔

؎ صرفہ یعنی فائدہ - ضبطِ آہ میں میرا فائدہ ہے کیونکہ بحالتِ دیگر ایک ہی نفسِ جان گداز مجھے فنا کر دیتا - ۱۲

؎ شیشہ بازی رقاصی کا ایک فن ہے جس میں رقاص پانی اور گلاب کی صراحیاں اور شیشے سر پر رکھ کر رقص کرتے ہیں لیکن شیشے گرنے نہیں پاتے - یہاں شیشوں کے اُچھلنے کے سبب سے بزمِ عیشِ دوشینہ فرش کو شیشہ باز کا سر کہا ہے - ۱۲

؎ یعنی ناخن نے میرے گرفتہ دل کو جیسا چاہیے تھا وا کیا نہیں چھوڑا تھا اور گویا اس پر دل کا قرض باقی رہ گیا تھا۔ پس اب دل ناخنِ غم سے اُسی قرض کا کاوش کا تقاضا کر رہا ہے - ۱۲

بزمِ شاہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا	۱؎	رکھیو یا رب یہ درِ گنجینۂ گوہر کھلا
شب ہوئی پھر انجمِ رخشندہ کا منظر کھلا	۲؎	اِس تکلف سے کہ گویا بتکدے کا در کھلا
گرچہ ہوں دیوانہ پر کیوں دوست کا کھاؤں فریب	۳؎	آستیں میں دشنہ پنہاں ہاتھ میں نشتر کھلا
گو نہ سمجھوں اُس کی باتیں گو نہ پاؤں اسکا بھید		پر یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے وہ پری پیکر کھلا
ہے خیالِ حُسن میں حُسنِ عمل کا سا خیال	۴؎	خلد کا اک در ہے میری گور کے اندر کھلا
منہ نہ کھلنے پر ہے وہ عالم کہ دیکھا ہی نہیں		زلف سے بڑھ کر نقاب اُس شوخ کے منہ پر کھلا
در پہ رہنے کو کہا اور کہہ کے کیسا پھر گیا		جتنے عرصے میں مرا لپٹا ہوا بستر کھلا
کیوں اندھیری ہے شبِ غم ہے بلاؤں کا نزول	۵؎	آج اُدھر ہی کو رہیگا دیدۂ اختر کھلا
کیا رہوں غربت میں خوش جب ہو حوادث کا یہ حال	۶؎	نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ بر اکثر کھلا

۷؎	اس کی اُمت میں ہوں میں میرے رہیں کیوں کام بند واسطے جس شہ کے غالب گنبدِ بے در کھلا

۱؎ بادشاہ ظفر کے مذاقِ سخن اور مجمعِ شعرا کے لحاظ سے بزمِ شاہنشاہ کو گنجینۂ گوہر کہا - ۱۲

۲؎ بت کدے میں چراغ روشن ہوتے ہیں۔ ستاروں کو چراغ سے مشابہت دی ہے یا یہ کہ ستارے خود بتوں سے مشابہ ہیں - ۱۲

۳؎ یعنی ظاہر میں تو دوست کے ہاتھ میں فصد کے لیے نشتر موجود ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ علاجِ دیوانگی منظور ہے۔ مگر آستین میں مجھے قتل کرنے کے لیے خنجر پوشیدہ ہے -

عه کہتے ہیں کہ اعمالِ نیک کی بدولت قبر میں دروازۂ جنت کھل جاتا ہے۔ یہاں غالب نے خیالِ حسن کو حسنِ عمل سے مشابہ قرار دیتا ہے کیونکہ تصورِ حسنِ یار سے بھی گوشۂ لحد نمونۂ خلد بن گیا ہے۔ ۱۲

شه "کیوں اندھیری ہے شبِ غم" اس کا جواب یہ ہے کہ آج بلاؤں کا نزول ہے جن کے اترنے کا تماشا دیکھنے کی غرض سے ستاروں کا رخ زمین سے آسمان کی جانب پھر گیا ہے۔ ۱۲

ھه قاعدہ ہے کہ اخبارِ مرگ و حوادث کے متعلق خطوط اکثر کھلے ہوئے روانہ کیے جاتے ہیں۔

شه گنبد ہے در کھلا یعنی شبِ معراج میں۔ گنبد سے مراد یعنی آسمان ۱۲

(۱)

شب کہ برقِ سوزِ دل سے زہرۂ ابر آب تھا
سله شعلۂ جوالہ ہر اک حلقۂ گرداب تھا

وان کرم کو عذرِ بارش تھا عنان گیرِ خرام
سٹه گریے سے یان پنبۂ بالش کفِ سیلاب تھا

وان خود آرائی کو تھا موتی پرونے کا خیال
یان ہجومِ اشک میں تارِ نگہ نایاب تھا

جلوۂ گل نے کیا تھا وان چراغان آب جو
یان روان مژگانِ چشمِ تر سے خونِ ناب تھا

یان سرِ پرشور بیتابی سے تھا دیوار جو
سٹه وان وہ فرقِ ناز محوِ بالشِ کمخواب تھا

یان نفس کرتا تھا روشن شمعِ بزمِ بیخودی
جلوۂ گل وان بساطِ صحبتِ احباب تھا

فرش سے تا عرش وان طوفان تھا موجِ رنگ کا
یان زمیں سے آسمان تک سوختن کا باب تھا

ناگہاں اس رنگ سے خونابہ ٹپکانے لگا
سکه دل کہ ذوقِ کاوشِ ناخن سے لذت یاب تھا

نالۂ دل میں شب اندازِ اثر نایاب تھا
ٹه تھا سپندِ بزمِ وصلِ غیر گو بیتاب تھا

مقدمِ سیلاب سے دل کیا نشاط آہنگ ہے
لله خانۂ عاشق مگر سازِ صدائے آب تھا

نازشِ ایامِ خاکستر نشینی کیا کہوں
ےه پہلوئے اندیشہ وقفِ بسترِ سنجاب تھا

کچھ نہ کی اپنے جنونِ نارسا نے ورنہ یان
شه ذرہ ذرہ روکشِ خورشیدِ عالم تاب تھا

آج کیوں پروا نہیں اپنے اسیروں کی تجھے
کل تلک تیرا بھی دل مہر و وفا کا باب تھا

یاد کر وہ دن کہ ہر اک حلقہ تیرے دام کا
انتظارِ صید میں اک دیدۂ بے خواب تھا

میں نے روکا رات غالب کو وگرنہ دیکھتے
اس کے سیلِ گریہ میں گردوں کفِ سیلاب تھا

سله یعنی میرے سوزِ دل کے خیال سے ابر کا پتا پانی ہوا جاتا تھا۔ اور اس کی تاثیر سے پانی میں جو

گرداب پڑتے تھے وہ شعلہ ہائے جوالہ معلوم ہوتے تھے۔ ۱۲

سہ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ وہ عذرِ بارش کی بنا پر یہاں تک نہ آئے اور میں اس قدر رویا کہ تکیے کی روئی آنسوؤں سے تر ہو کر ہجوم اشک میں کف سیلاب کے مانند ہو گئی۔

سہ دیوار جو تھا یعنی سر ٹکرانے کے لیے دیوار تلاش کرتا تھا۔ اس پہلے قطعے میں اپنی مجروحیت اور محبوب کی بے پروائی کا حال مختلف پیرایوں میں مقابلہ کر کے دکھایا ہے۔

سہ اس رنگ سے خوننابہ ٹپکانے لگا یعنی اس طور پر غزل سرا ہوا ہے یا اس غزل کے دوسرے حصہ کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲

سہ نایاب تھا یعنی نہ تھا۔

دوسرے مصرعہ میں نایابی اثر کی تشریح کرتا ہے کہ دل بیتاب تھا مگر گویا غیر کی بزم وصل کا سپند تھا۔ یعنی اس کی بے تابی میرے فائدے کے خلاف تھی۔

سہ مقدم یعنی آنا۔ نشاط آہنگ یعنی مسرور۔ ساز صدائے آب مثلاً جلترنگ۔

مطلب یہ ہے کہ عشاق کو اپنی بربادی اس قدر مرغوب ہوتی ہے کہ اپنے مکان میں سیلاب کے آنے سے وہ اس درجہ مسرور ہیں کہ گویا جلترنگ سُن رہے ہیں۔ ۱۲

سہ اندیشہ یعنی خیال۔ خاک نشینی کے زمانے کی کیفیت نہ پوچھ کہ ہم خاک نشیں بستر خاک کو بستر سنجاب سمجھا کرتے تھے۔ اور زمین پر ہم کو بستر سنجاب کی سی راحت ملتی تھی۔

سہ جنون نارسا۔ عشق ناتمام۔ ذرہ کش۔ مقابل۔ یعنی اگر عشق ناتمام نہ ہوتا تو ممکن تھا کہ ذرہ آفتاب کے برابر ہو جاتا۔ لیکن نارسائی جنون نے اکتساب فیض سے محروم رکھا اور ایسا نہ ہونے پایا۔

خونِ جگر ودیعتِ مژگانِ یار تھا	سلہ	ایک ایک قطرے کا مجھے دینا پڑا حساب
توڑا جو تو نے آئینہ تمثال دار تھا	سلہ	سلہ بت میں ہوں اور ماتم یک شہر آرزو
جان دادۂ ہوائے سرِ رہگذار تھا		گلیوں میں میری نعش کو کھینچے پھرو کہ میں
ہر ذرہ مثل جوہر تیغ آبدار تھا	سلہ	موج سراب دشت وفا کا نہ پوچھ حال
دیکھا تو کم ہوئے پہ غم روزگار تھا		کم جانتے تھے ہم بھی غم عشق کو پر اب

سلہ یعنی آنکھوں سے اس قدر خون جاری رہتا ہے کہ گویا جگر میں جتنا خون تھا وہ مژگان یار کی

امانت تھا اور اس لیے اس کے ایک ایک قطرے کا حساب اسی طرح دینا پڑیگا جس طرح امانت کا حساب دینا پڑتا ہے (یادگار غالب)۔ ۱۲

ته آئینے سے یہاں آئینۂ دل اور یک شہر آرزو سے ہجوم تمنا مراد ہے۔ ۱۲ یعنی تو نے دل شکنی کر کے ہزاروں آرزوؤں کا خون کر ڈالا۔

سته دشت وفا کی سراب کا ذرہ ذرہ تیغ آبدار کے جوہر سے مشابہ ہے یعنی اہل وفا کے قتل کا سامان رکھتا ہے۔ ۱۲۔ فریب وفا کے لحاظ سے استعارۂ سراب موزوں ہے۔

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا	۱	آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا
گریہ چاہے ہے خرابی مرے کاشانے کی		در و دیوار سے ٹپکے ہے بیاباں ہونا
واے دیوانگیِ شوق کہ ہر دم مجھ کو		آپ جانا اُدھر اور آپ ہی حیراں ہونا
جلوہ از بسکہ تقاضاے نگہ کرتا ہے	۲	جوہرِ آئینہ بھی چاہے ہے مژگاں ہونا
عشرتِ قتل گہِ اہلِ تمنا مت پوچھ	۳	عیدِ نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا
لے گئے خاک میں ہم داغِ تمناے نشاط	۴	تو ہو اور آپ بصد رنگِ گلستاں ہونا
عشرتِ پارۂ دل زخمِ تمنا کھانا	۵	لذتِ ریشِ جگر غرقِ نمکداں ہونا
کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ		ہاے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

۶	حیف اس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالبؔ جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

۱ انسان ہونا یعنی حقیقی صفات و سیرت انسانی کا پیدا کرنا۔

۲ یعنی حسن یار کا تقاضا ہے کہ مجھے دیکھو اس لیے آئینہ آنکھ اور جوہر پلکیں بن جانا چاہتے ہیں۔

۳ اہل تمنا تیری تلوار کو عریاں دیکھ کر شوق شہادت میں ایسے ہی خوش ہوتے ہیں جیسے لوگ عید کا چاند دیکھکر ہوا کرتے ہیں۔ ۱۲۔

۴ بصد رنگ گلستان ہونا یعنی فرط مسرت سے باغ باغ ہونا۔ یعنی اب تم خوش ہو کہ ہم دنیا سے مع ہجوم تمنا مر اگذر گئے۔ ۱۲۔ یہ طعن و طنز کی گفتگو ہے۔

۵ اپنی ایذا دوستی کا اظہار کیا ہے۔ ۱۲

ل یہ شعر نہایت خوب ہے لیکن دونوں مصرعوں میں قسمت کی تکرار نے کسی قدر بے لطفی پیدا کر دی ہے۔ ۱۲

شب خمار شوق ساقی رستخیز اندازہ تھا	۵۱	تا محیط بادہ صورت خانۂ خمیازہ تھا
یک قدم وحشت سے درس دفتر امکاں کھلا	۵۲	جادہ اجزائے دو عالم دشت کا شیرازہ تھا
مانع وحشت خرامیہائے لیلیٰ کون ہے	۵۳	خانۂ مجنون صحرا گرد بے دروازہ تھا
پوچھ مت رسوائی انداز استغنائے حسن	۵۴	دست مرہون حنا رخسار رہن غازہ تھا
نالۂ دل نے دیے اوراق لخت دل بباد	۵۵	یادگار نالہ اک دیوان بے شیرازہ تھا

۵۱ شوق ساقی - ساقی کی آمد کا شوق جو بادہ کشوں کے دل میں تھا۔ رستخیز اندازہ یعنی قیامت کے مانند۔ محیط بادہ یعنی ظرف جہاں تک شراب ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شوق ساقی کے خمار میں ایک اس قیامت کا جوش تھا کہ پینے کی ہوس یہاں تک کہ شراب بھی خمیازہ کش ہو رہی تھی۔ اور اس طرح پیالہ ایک صورت خانۂ خمیازہ کی کیفیت پیش نظر ہو گئی تھی۔ غرض کہ مضمون یہ ہے کہ ساقی کی آمد کی ہر شے مشتاق و منتظر تھی۔

۵۲ یک قدم وحشت یعنی اندک وحشت - دو عالم دشت سے کثرت مراد ہے۔ جادہ یعنی جادۂ دشت کو اجزائے دو عالم دشت کا شیرازہ اس بنا پر کہا کہ یک قدم وحشت سے یعنی ذرا ہی سی وحشت سے تمام دفتر امکان کی حقیقت معلوم ہو گئی۔

مطلب یہ ہے کہ دفتر امکان کا درس بہ صحت عقل و ہوش بر بنائے خوف و کم ہمتی مشکل تھا وحشت نے اُسے آسان کر دیا کیوں کہ یہاں کی وحشت و دیوانگی نے اُس پست ہمتی کو مٹا دیا۔

۵۳ مجنون صحرا گرد کے گھر (یعنی صحرا) میں دروازہ بھی نہ تھا جو بند ہوتا اور لیلیٰ اندر نہ جا سکتی پھر معلوم نہیں کیا سبب مانع ہے کہ وہ کبھی بہ تقاضائے وحشت وہاں تک نہیں پہنچ جاتی۔

۵۴ استغنائے حسن کی شان یہ تھی کہ اُسے کسی دوسری چیز کی ضرورت نہ ہوتی۔ پس یہ حنا و غازے کا استعمال انداز استغنا کی رسوائی کا موجب ہے۔ ۱۲

۵۵ دل گویا ایک دیوان تھا اور لختہائے دل اُس دیوان کے ورق تھے۔ نالۂ دل نے اُن کو پریشان کر دیا اور دل نے ایک دیوان بے شیرازہ کی شکل اختیار کر لی۔ ۱۲

دوست غمخواری میں میری سعی فرمائینگے کیا
زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ آئینگے کیا

بے نیازی حد سے گذری بندہ پرور کب تلک
ہم کہینگے حال دل اور آپ فرمائینگے کیا

حضرت ناصح گر آئیں دیدہ و دل فرش راہ
کوئی مجھکو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھائینگے کیا

آج واں تیغ و کفن باندھے ہوئے جاتا ہوں میں
عذر میرے قتل کرنے میں وہ اب لائینگے کیا

گر کیا ناصح نے ہم کو قید اچھا یوں سہی
یہ جنون عشق کے انداز چھٹ جائینگے کیا

خانہ زاد زلف ہیں زنجیر سے بھاگینگے کیوں
ہیں گرفتار وفا زنداں سے گھبرائینگے کیا

ہے اب اس معمورہ میں قحط غم الفت اسدؔ[۱]
ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیں کھائینگے کیا

۱ غم الفت جو میری غذا ہے وہ یہاں مفقود ہے یعنی کوئی معشوق اب یہاں دل لگانے کے قابل نہیں رہا۔

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

ترے وعدے پر جیے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا[۱]
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا[۲]

تری نازکی سے جانا کہ بندھا تھا عہد بودا
کبھی تو نہ توڑ سکتا اگر استوار ہوتا

کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیر نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا

رگ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا

غم اگرچہ جاں گسل ہے پہ بچیں کہاں کہ دل ہے
غم عشق اگر نہ ہوتا غم روزگار ہوتا

ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

اسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا
جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہیں دوچار ہوتا

یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالبؔ
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

۱ جھوٹ جانا یعنی تیرے وعدے کو۔ ۱۲ ۲ اگر جھوٹ جانتے تو شادیٔ مرگ کی صورت پیدا ہوتی۔

تیرِ نیم کش یعنی وہ تیر جس کے لیے کمان پوری نہ کھینچی گئی ہو یعنی آہستہ سے لگایا گیا ہو۔ ۱۲

شرار سنگ میں پنہاں ہوتا ہے۔ غالب کہتا ہے کہ اگر شرارِ سنگ شرارِ غم کے مانند ہوتا تو رگِ سنگ سے بھی ایسا لہو ٹپکتا کہ پھر بند نہ ہوتا یعنی پتھر پر بھی غم کا اس قدر اثر ہوتا۔ ۱۲

دل کبھی غم سے خالی نہیں رہ سکتا اس لیے غمِ عشق ہی غنیمت ہے کیونکہ اگر یہ نہ ہوتا تو دیگر افکارِ دنیا کا رنج لاحق ہوتا۔ ۱۲

(۲)

ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا [۱]
نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا

تجاہل پیشگی سے مدعا کیا
کہاں تک اے سراپا ناز کیا کیا

نوازش ہائے بے جا دیکھتا ہوں [۲]
شکایت ہائے رنگیں کا گلا کیا

نگاہِ بے محابا چاہتا ہوں [۳]
تغافل ہائے تمکیں آزما کیا

فروغِ شعلۂ خس یک نفس ہے [۴]
ہوس کو پاسِ ناموسِ وفا کیا

نفس موجِ محیطِ بیخودی ہے [۵]
تغافل ہائے ساقی کا گلا کیا

دماغِ عطرِ پیراہن نہیں ہے [۶]
غمِ آوارگی ہائے صبا کیا

دلِ ہر قطرہ ہے سازِ انا البحر [۷]
ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

محابا کیا ہے میں ضامن ادھر دیکھ [۸]
شہیدانِ نگہ کا خوں بہا کیا

سن اے غارتگرِ جنسِ وفا سن [۹]
شکستِ قیمتِ دل کی صدا کیا

کیا کس نے جگر داری کا دعوے
شکیبِ خاطرِ عاشق بھلا کیا

یہ قاتل وعدۂ صبر آزما کیوں [۱۰]
یہ کافر فتنۂ طاقت ربا کیا

بلائے جاں ہے غالب اس کی ہر بات
عبارت کیا اشارت کیا ادا کیا

۱ نشاط کے معنی اُمنگ کے ہیں۔ نشاطِ کار یعنی کام کرنے کی اُمنگ۔

مطلب یہ ہے کہ "دنیا میں جو کچھ چہل پہل ہے وہ صرف اس یقین کی بدولت ہے کہ یہاں رہنے کا زمانہ بہت تھوڑا ہے۔ یہ انسان کی ایک طبعی خصلت معلوم ہوتی ہے کہ جس قدر فرصت قلیل ہوتی ہے اسی قدر زیادہ سرگرمی سے کام کو سرانجام کرتا ہے" (از یادگارِ غالب)

ـہ - نوازشہائے بیجا یعنی اغیار پر۔ شکایتہائے رنگیں - نوازشہائے بیجا کی شکایتیں جو بہ لہجہ محبت ادا کی جاتی ہیں نہ بطریق رنج و شکوہ ۱۲

ـہ تغافل تمکین آزما - ایسا تغافل جس سے ارباب شوق کے صبر و استقلال کی آزمائش کی جائے بے محابا یعنی بے تامل و بے تکلف ۱۲

ـہ ہوس مند عشق صادق - ہوس کو عشق کاذب اور ناپایدار ہونے کی بنا پر شعلہ خس سے تشبیہ دی ہے جس کی روشنی دم بھر سے زیادہ قائم نہیں رہ سکتی - ۱۲

ـہ ساقی عطائے شراب کے معاملے میں تغافل کرتا ہے تو ہم کو کیا شکایت ہو سکتی ہے - ہم پی پئیں یعنی حسرت اس کی صورت دیکھکر اسس درجہ بیخود ہیں کہ ہماری ہر سانس گویا محیط بیخودی کی ایک موج ہے -

ـہ - اگر آوارگی صبا کے سبب سے پیراہن یار کے عطر کی خوشبو پریشان ہو جاتی ہے تو ہمیں اسکا کیا غم یعنی غم تو اس وقت ہوتا جب ہم کو اس کے سونگھنے کا دماغ بھی ہوتا ۱۲

ـہ ہر قطرے کے دل سے انا البحر کا نعرہ نکل رہا ہے" دوسرے مصرعے میں اس بیان کو پنی ذات پر منطبق کیا ہے - اور اپنے کو ایک قطرہ قرار دیکر کہتا ہے کہ ہم بھی انا البحر (انا الحق) کے مقام میں ہیں کیونکہ ہم اسی بحر بیکران (ہستی نامحدود الٰہی) کے ایک جزو ہیں ۱۲

ـہ عشاق کو شب نگاہ کرنے میں تجھے کیا تامل ہے - اس کا میں ضامن ہوں کہ تجھ سے کوئی خون بہا کا طلبگار نہ ہوگا - "دھر دیکھ" خوب کہا ہے -

ـہ شکست قیمت یعنی قیمت کا گھٹانا - اس سے ظاہر ہے کہ شکست قیمت کی کوئی صدا نہیں ہوتی ہیں لئے شیشہ شراب کے مانند گر اس کو نہ توڑا ہو تو اس کی شکست سے صدا بلند ہوتی تو نہیں ہوتی ۱۲

ـہ "قاتل وعدہ صبر آزما کیوں" یعنی اسے آخر یہ وعدہ صبر آزما کیوں ہے - اس میں خوبی یہ ہے کہ "قاتل" کو وعدہ صبر آزما کی صفت بھی قرار دے سکتے ہیں ۱۲

درخور قہر و غضب جب کوئی ہم سا نہ ہوا
پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا

بندگی میں بھی وہ آزادہ و خودبیں ہیں کہ ہم
الٹے پھر آئے در کعبہ اگر وا نہ ہوا

ـہ سب کو مقبول ہے دعوے تری یکتائی کا
سامنے کوئی بت آئینہ سیما نہ ہوا

کم نہیں نازشِ ہمنامیِ چشمِ خوباں	۲	تیرا بیمار برا کیا ہے گر اچھا نہ ہوا
سینے کا داغ ہے وہ نالہ کہ لب تک نہ گیا	۳	خاک کا رزق ہے وہ قطرہ کہ دریا نہ ہوا
نام کا میرے ہے وہ دکھ کہ کسی کو نہ ملا		کام کا میرے ہے وہ فتنہ کہ برپا نہ ہوا
ہر بن مو سے دمِ ذکر نہ ٹپکے خونناب		حمزہ کا قصہ ہوا عشق کا چرچا نہ ہوا
قطرے میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو میں کل	۴	کھیل لڑکوں کا ہوا دیدۂ بینا نہ ہوا

تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑیں گے پرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ہوا

۱۔ آئینے میں چونکہ شبیہ نظر آتی ہے اس لیے آئینہ سیما کی صفت بت کے ساتھ اس موقع کے مناسب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی نے حسن میں تجھ سے مقابلہ نہ کیا۔

۲۔ چشم خوباں کی بھی صفت "بیمار" ہے۔ پس بیمار ہونے میں فخر ہمنامی کا حاصل ہونا ظاہر ہے۔

۳۔ سینے کا داغ ہے یعنی ننگ سینہ ہے۔ خاک کا رزق ہے یعنی رائگاں ہے۔ اور حقیقت میں ہوتا بھی یہی ہے کہ جو قطرہ دریا تک نہیں پہونچتا وہ جذب خاک ہو کر رائگاں ہو جاتا ہے اور جو نالہ لب تک نہیں پہونچتا اس کے ضبط کرنے سے سینے میں داغ پڑ جاتا ہے۔

۴۔ دیدۂ بینا کچھ لڑکوں کا کھیل نہیں ہے کہ اسے قطرے میں دریا اور جزو میں کل نہ دکھائی دے۔ یعنی دیدۂ بینا کو ضرور جزو میں کل دکھائی دیگا۔ ۱۲

اسد ہم وہ جنوں جولاں گدائے بے سر و پا ہیں ۱ کہ ہے سر پنجۂ مژگانِ آہو پشت خار اپنا

۱۔ جنوں جولاں یعنی جولانِ جنوں رکھنے والا۔ پنجۂ مژگان آہو کو پشت خار قرار دیکر اپنی نسبت وحشت کا اظہار کیا ہے اور بس۔ ۱۲

بہ نذرِ کرم تحفہ ہے شرمِ نارسائی کا	۱	بخوں غلطیدۂ صد رنگ دعوے پارسائی کا
نہ ہو حسنِ تماشا دوست رسوا بے وفائی کا	۲	بہ مہرِ صد نظر ثابت ہے دعوے پارسائی کا
زکاۃِ حسن دے اے جلوۂ بینش کہ مہر آسا	۳	چراغِ خانۂ درویش ہو کاسہ گدائی کا
نہ مارا جان کر بیجرم قاتل تیری گردن پر	۴	رہا مانندِ خونِ بے گنہ حق آشنائی کا
تمنائے زباں محوِ سپاسِ بے زبانی ہے	۵	مٹا جس سے تقاضا شکوۂ بے دست و پائی کا

وہی اک بات ہے جو یاں نفس واں نکہتِ گل ہے
چمن کا جلوہ باعث ہے مری رنگیں نوائی کا

۷؎ دہانِ ہر بتِ پیغارہ جو زنجیرِ رسوائی
عدم تک بے وفا چرچا ہے تیری بے وفائی کا

نہ دے نامے کو اتنا طول غالبؔ مختصر لکھ دے
کہ حسرت سنج ہوں عرضِ ستم ہائے جدائی کا

۱؎ بخشش الٰہی کی نذر کے واسطے ہمارے پاس صرف شرمِ نارسائی کا تحفہ ہے۔ دوسرے مصرعے میں تحفے کی تشریح کر دی ہے یعنی ہمارے پاس اس دعوائے پارسائی کا تحفہ ہے جو سو رنگ سے خون میں غلطیدہ ہے یعنی جس کا خون ہو چکا ہے۔ ۱۲

۲؎ حسنِ تماشا دوست۔ وہ حسن جسے یہ پسند ہو کہ لوگ اسے دیکھیں۔ رسوا بے وفائی کا۔ فارسی ترکیب "رسوائے بے وفائی" کا ترجمہ ہے۔

مطلب یہ ہو کہ اگر یار کو میرے علاوہ دوسروں کو بھی اپنا نظارگی حسن بنانا پسند ہے تو اس سے اس پر بے وفائی اور شکستِ عہدِ پارسائی کا الزام عائد نہیں ہو سکتا کیونکہ ان دیکھنے والوں کی نظریں تو گویا مہریں ہیں جن سے اس کی پارسائی کا دعوے ثابت ہے۔ ۱۲۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ مضمون لیا رنج المزید ہو

۳؎ رنگ۔ یعنی "تاکہ" یا جس کے سبب سے "انتظاروں کو دور کرنے سے اس طرح شعر کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ اپنے جلوۂ دیدار سے چشمِ مشتاق کو روشن کر۔ ۱۲

۴؎ یعنی حق آشنائی یہ تھا کہ تو مجھ کو مار ڈالتا۔ ۱۲

۵؎ زبان کی تمنا متقاضی تھی کہ بے دست و پائی کی شکایت کی جائے۔ لیکن چونکہ مجھ کو بے زبان دیکھ کر اُن کو خود بخود رحم آ گیا۔ اس لیے تمنائے زبان بے زبانی کی ستائش کر رہی ہے کیونکہ بے زبانی ہی کے سبب سے شکوۂ بے دست و پائی کی ضرورت باقی نہ رہی اور ان کو عرضِ حال و شکایت کے بغیر ہی رحم آ گیا۔

۶؎ بت خود بے وفا ہوتے ہیں جب وہ بھی تجھے بے وفائی کا طعنہ دیتے ہیں تو خیال کرنا چاہیے کہ تیری بے وفائی کا چرچا کس قدر بڑھا ہوا ہے۔

زنجیرِ رسوائی کی ترکیب نہایت دور از کار ہے۔ شاید مطلب اس سے یہ ہو کہ زبان [illegible]
[illegible] زنجیرِ رسوائی [illegible] رسوائی [illegible]
[illegible] زنجیرِ رسوائی کی شکل [illegible]

یعنی ستمہائے جدائی کے بیان کرنے کی حسرت رکھتا ہوں۔ اس میں اشارہ اس امر کی جانب ہے کہ ان کی کثرت کی وجہ سے بیان قاصر ہوں۔ ۱۲

گر نہ اندوہ شب فرقت بیاں ہو جائیگا	۱	بے تکلف داغ مہ مہر دہاں ہو جائے گا
زہرہ گر ایسا ہی شام ہجر میں ہوتا ہے آب	۲	پرتو مہتاب سیل خانماں ہو جائے گا
لے تو لوں سوتے میں اسکے پاؤں کا بوسہ مگر	۳	ایسی باتوں سے وہ کافر بدگماں ہو جائے گا
دل کو ہم صرف وفا سمجھے تھے کیا معلوم تھا		یعنی یہ پہلے ہی نذر امتحاں ہو جائے گا
سب کے دل میں ہے جگہ تیری جو تو راضی ہوا		مجھ پہ گویا اک زمانہ مہرباں ہو جائے گا
گر نگاہ گرم فرماتی رہی تعلیم ضبط	۴	شعلہ خس میں جیسے خوں رگ میں نہاں ہو جائیگا
باغ میں مجھکو نہ لیجا ورنہ میرے حال پر		ہر گل تر ایک چشم خوں فشاں ہو جائیگا
وائے گر میرا ترا انصاف محشر میں نہ ہو		اب تلک تو یہ توقع تھی کہ واں ہو جائیگا

فائدہ کیا سوچ آخر تو بھی دانا ہے اسدؔ
دوستی ناداں کی ہے جی کا زیاں ہو جائیگا

۱ مہر دہاں۔ مہر خاموشی۔ داغ ماہ کو باعتبار سیاہی و شباہت مہر سے تعبیر کیا۔
مطلب یہ ہے کہ اگر شب فرقت کا اندوہ میں ادا نہ کرسکوں تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ چاند کا داغ میرے لیے گویا مہر خاموشی بن گیا تھا۔ ۱۲

۲ چاندنی کا زہرہ آب ہو کر سیل کی صورت پیدا ہو جائیگی مطلب یہ ہے کہ ہجر یار میں چاندنی موجب آزار و بربادی ہو جائیگی۔ ۱۲

۳ ایک مطلب اس شعر کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر محبوب خواب میں آئے اور میں اس کے پاؤں کا بوسہ لوں تو وہ بدگماں ہو کر خواب میں بھی آنا چھوڑ دیگا۔ ۱۲

۴ نگاہ گرم یعنی نظر عتاب جس کے خوف سے خون رگ میں اس طرح نہاں ہو جائے گا جیسے شعلہ خس میں چھپ رہے۔ ۱۲

درد منت کش دوا نہ ہوا	۱	میں نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا
جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو		اک تماشا ہوا گلا نہ ہوا

ہم کہاں قسمت آزمانے جائیں
تو ہی جب خنجر آزما نہ ہوا

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب
گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا

ہے خبر گرم ان کے آنے کی
آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا

کیا وہ نمرود کی خدائی تھی [2]
بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا

زخم گر دب گیا لہو نہ تھما [3]
کام گر رک گیا روا نہ ہوا

رہزنی ہے کہ دل ستانی ہے
لے کے دل دلستاں روانہ ہوا

کچھ تو پڑھیے کہ لوگ کہتے ہیں
آج غالب غزل سرا نہ ہوا

[1] میں نہ اچھا ہوا تو کچھ برا نہ ہوا، کیونکہ اگر اچھا ہو جاتا تو مجھے دوا کا احسان مند ہونا پڑتا حالانکہ دوا کا احسان لینا مجھے منظور نہیں۔

[2] بندگی یعنی عبودیت۔ بندگی پر نمرود کی خدائی کا اطلاق کرنا بالکل نئی بات ہے۔ کہتا ہے کہ میری بندگی کیا نمرود کی خدائی تھی کہ اس سے مجھ کو سوا نقصان کے کچھ فائدہ نہ پہونچا۔ (یادگار غالب)

[3] کام جب رک جاتا ہے تو روا نہیں ہوتا۔ اس لحاظ سے زخم کے دب جانے پر چاہیے تھا کہ لہو بھی رواں نہ ہوتا لیکن یہاں ایسا نہیں اور زخم کے دب جانے پر بھی لہو جاری ہے۔

گلہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگیِ جا کا [1]
گہر میں محو ہوا اضطراب دریا کا

یہ جانتا ہوں کہ تو اور پاسخِ مکتوب [2]
مگر ستم زدہ ہوں ذوقِ خامہ فرسا کا

حنائے پائے خزاں ہے بہار اگر ہے یہی [3]
دوامِ کلفتِ خاطر ہے عیش دنیا کا

غمِ فراق میں تکلیفِ سیرِ باغ نہ دو [4]
مجھے دماغ نہیں خندہ ہائے بے جا کا

ہنوز محرمیِ حسن کو ترستا ہوں [5]
کرے ہے ہر بنِ مو کام چشمِ بینا کا

دل اس کو پہلے ہی ناز و ادا سے دے بیٹھے [6]
ہمیں دماغ کہاں حسن کے تقاضا کا

نہ کہہ کہ گریہ بمقدارِ حسرتِ دل ہے [7]
مری نگاہ میں ہے جمع و خرچ دریا کا

فلک کو دیکھ کے کرتا ہوں اس کو یاد اسد [8]

جفا میں اس کی ہے انداز کار فرما کا

۱؎ دل میں بھی یعنی اگرچہ وسعتِ دل مشہور ہے۔ گھر کو دل سے اور شوق کو اضطراب دریا سے تشابہ کیا ہے۔ ۱۲۔ مطلب یہ ہے کہ دل میں اضطرابِ شوق کو فراترِ حوصلہ جگہ نہ ملنے سے اُس کا جوش باقی نہیں رہا گویا دریا گھر میں سما گیا۔

۲؎ پاسخ مکتوب یعنی جوابِ خط۔ مطلب یہ ہے کہ شوق کی خامہ فرسائی سے مجبور ہوں ورنہ یہ تو معلوم ہے کہ تو جوابِ خط نہ دیگا۔ ۱۲

۳؎ بہار کو بوجہ رنگینی "حنائے پائے خزاں" کہا۔ کہتا ہے کہ دنیا کا عیش آخرکار ہمیشہ کلفتِ خاطر کا باعث ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً بہار ہی کو لے لیجئے کہ وہ گویا پائے خزاں کی حنا ہوتی ہے جس کی رنگینی چند روز میں زائل ہوجاتی ہے اور پھر خزاں ہی کا دور دورہ رہتا ہے۔ ۱۲

۴؎ خندۂ گل کو خندۂ بےجا اس لیے کہا کہ وہ کچھ سمجھ کر یا ازراہِ تعجب نہیں ہنستا ہے پس گویا اس کا خندہ بےمحل ہے۔ (یادگارِ غالب)

۵؎ مصرعِ ثانی کے شروع میں "باوجودیکہ" یا "اگرچہ" بڑھا کر پڑھنے سے مطلب صاف ہوجاتا ہے۔ ۱۲

۶؎ "تقاضا کا" اب بالکل متروک ہے "تقاضے کا" چاہیے غالباً قافیے کی ضرورت نے مرزا کو مجبور کیا ہوگا۔ ۱۲

۷؎ مطلب یہ ہے کہ اگرچہ شدتِ گریہ کی وجہ سے میری آنکھوں سے دریا رواں ہے لیکن پھر بھی وہ میری حسرتِ دل کے حوصلے کے موافق نہیں ہے۔ ۱۲۔ یعنی میری حسرتِ دل بہت بڑی ہوئی ہے کثرتِ اشک سے اُس کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔

۸؎ یعنی فلک کو دیکھ کر وہ یاد آتا ہے کیونکہ جو کچھ ستم فلک کرتا ہے اُسی کے حکم سے کرتا ہے۔

قطرۂ مے بسکہ حیرت سے نفس پرور ہوا
۹؎ خطِ جامِ مے سراسر رشتۂ گوہر ہوا

اعتبارِ عشق کی خانہ خرابی دیکھنا
غیر نے کی آہ لیکن وہ خفا مجھ پر ہوا

۹؎ جب ساغر سے لبِ یار سے ملا تو قطرہ ہائے مے بفرطِ حیرت منجمد ہوکر گویا گوہر بن گئے اور یعنی جامِ مے رشتۂ گوہر کے مانند ہوگیا۔ ۱۲

جب بتقریبِ سفر یار نے محمل باندھا
۱۰؎ تپشِ شوق نے ہر ذرے پہ اک دل باندھا

اہلِ بینش نے بہ حیرت کدۂ شوخیِ ناز — جوہرِ آئینہ کو طوطیِ بسمل باندھا [1]
یاس و امید نے اک عربدہ میداں مانگا — عجزِ ہمت نے طلسمِ دلِ سائل باندھا [2] ٥٢

نہ بندھے تشنگیِ شوق کے مضموں غالب
گرچہ دل کھول کے دریا کو بھی ساحل باندھا

[1] عکسِ روئے یار کی وجہ سے آئینہ گویا ایک حیرت کدہ بن گیا ہے اور یار کی شوخیِ ناز کے اثر سے جوہرِ آئینہ اس حیرت کدۂ آئینہ میں طوطیِ بسمل کے مانند پھڑک رہا ہے۔ جوہرِ آئینہ کو اس کی بیتابی ظاہر کرنے کے لئے طوطیِ بسمل سے مشابہ کیا ہے اس میں ایک نازک اشارہ اس امر کی جانب بھی ہے کہ نازِ یار کی شوخی اربابِ شوق کی حیرت کو اضطراب سے بدل دیا کرتی ہے۔

[2] دلِ سائل کو ایک طلسم اور جنگ گاہِ یاس و امید قرار دیا ہے۔ اس طلسم کی بانی پست ہمتی ہے۔ کیونکہ یہی اکثر محرکِ سوال ہوا کرتی ہے اور اس میدانِ عربدہ میں امیدِ قبول اور یاسِ ردِ سوال کے درمیان باہم جنگ ہوا کرتی ہے۔

میں اور بزمِ مے سے یوں تشنہ کام آؤں — گر میں نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا [1]
ہے ایک تیر جس میں دونوں چھدے پڑے ہیں — وہ دن گئے کہ اپنا دل سے جگر جدا تھا

درماندگی میں غالب کچھ بن پڑے تو جانوں
جب رشتہ بے گرہ تھا ناخن گرہ کشا تھا

[1] یعنی اس نے زبردستی کیوں نہ پلا دی (یادگارِ غالب)

گھر ہمارا جو نہ روتے بھی تو ویراں ہوتا — بحر اگر بحر نہ ہوتا تو بیاباں ہوتا [1]
تنگیِ دل کا گلا کیا یہ وہ کافر دل ہے — کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا
بعد یک عمرِ ورع بار تو دیتا بارے — کاش رضواں ہی درِ یار کا درباں ہوتا

[1] ہمارا گھر جو کثرتِ گریہ سے دریا ہو رہا ہے۔ اگر نہ روتے تو بیاباں ہوتا یعنی ویرانی بہرحال باقی رہتی۔

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا — ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا [1]
ہوا جب غم سے یوں بے حس تو غم کیا سر کے کٹنے کا — نہ ہوتا گر جدا تن سے تو زانو پر دھرا ہوتا

ہوئی مدت کہ غالب مر گیا پر یاد آتا ہے

لہ جب دنیا میں کچھ نہ تھا تو خدا ہی خدا تھا اور اگر موجوداتِ عالم کا ظہور نہ ہوتا تب بھی خدا ہی خدا ہوتا۔ یہیں غالب کہتا ہے کہ میری ہستی ظاہر نے مجھ کو ایک شے دیگر قرار دے کر برباد کر دیا کیونکہ اگر میں پیدا نہ ہوتا تو خیال کرنا چاہیے کہ کیا ہوتا۔ ظاہر ہے کہ خدا ہوتا (یعنی ذاتِ الٰہی کا ایک جزو رہتا) کیونکہ پہلے ہی طے ہو چکا ہے کہ اگر کچھ نہ ہوتا تو خدا ہی خدا ہوتا۔

یک ذرۂ زمیں نہیں بیکار باغ کا	لہ	یاں جادہ بھی فتیلہ ہے لالے کے داغ کا
بے مے کسے ہے طاقتِ آشوبِ آگہی	٢ـہ	کھینچا ہے عجزِ حوصلہ نے خط ایاغ کا
بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل		کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا
تازہ نہیں ہے نشۂ فکرِ سخن مجھے	٣ـہ	تریاکیِ قدیم ہوں دودِ چراغ کا
سو بار بندِ عشق سے آزاد ہم ہوئے		پر کیا کریں کہ دل ہی عدو ہے فراغ کا
بے خونِ دل ہے چشم میں موجِ نگہ غبار	٤ـہ	یہ میکدہ خراب ہے مے کے سراغ کا
باغِ شگفتہ تیرا بساطِ نشاطِ دل	٥ـہ	ابرِ بہار خمکدہ کس کے دماغ کا

لہ موسمِ بہار کا ذکر کرتا ہے کہ آج کل باغ کا ایک ذرۂ زمین بھی بیکار نہیں ہے۔ مثلاً باغ کی روشیں پہلے آمد و رفتِ مردم کی وجہ سے کچھ نہیں اگتا لیکن اس زمانے میں جوشِ گل کی یہ کیفیت ہے کہ روشیں بھی گھاس سبزہ کی کثرت کی وجہ سے گویا لالے کے داغ کا فتیلہ بنی ہوئی ہیں۔ واللہ اعلم۔
فتیلہ یا فلیتہ یعنی بتی جو بہت جلد آگ قبول کرے (غیاث) یہاں جادۂ چمن کو فتیلہ کہا گویا اس سے لالے کے داغ روشن ہوتے ہیں۔

٢ـہ آشوب بمعنی شور و غوغا۔ آگاہی کو آشوب قرار دیا جس کی برداشت کے لیے مے گساری لازم ٹھہری اور ظاہر ہے کہ اس غرض کے لیے ایک ساغر سے کیا کام چل سکتا ہے خصوصاً ایسی حالت میں کہ ساغر بھی لبریز نہ ہو بلکہ صرف ایک حدِ مقررہ (خطِ ساغر) تک شراب سے پُر ہو۔ ١٢
آگاہی کے لیے ہجومِ افکار و خیالات لازمی ہے۔ اسی بنا پر اسے آشوب کہا۔

٣ـہ دودِ چراغ کو تریاک اور اس تریاک کے نشے کو نشۂ فکرِ شعر قرار دیا۔
مطلب یہ ہے کہ میں نے مدتوں چراغ کے سامنے بیٹھ کر رات بھر فکرِ سخن کی ہے۔ ١٢

۴۹ آنکھ کو میکدے سے اور خون دل کو شراب سے مشابہ کیا ہے۔ جس طرح سے کہ میکدہ بغیر شراب کے ویران ہوتا ہے اسی طرح میری آنکھوں میں خوں فشانی کے بغیر گویا خاک اڑ رہی ہے۔
موج نگاہ کی تشبیہ غبار سے بہت مناسب ہے۔ اور میکدے کے لیے خراب کا لفظ بھی کیفیت سے خالی نہیں۔ ۱۲

۵۰ ابر بہار میری مستی کا باعث نہیں ہو سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ میرے سرور دل کا موجب تیرے حسن کا شگفتہ باغ ہے۔ اُس کے سوا اور کوئی شے میری مستی کا باعث نہیں ہو سکتی۔

وہ مری چین جبیں سے غم پنہاں سمجھا ۔ ۵۱ ۔ راز مکتوب بہ بے ربطی عنواں سمجھا
یک الف بیش نہیں صیقل آئینہ ہنوز ۔ ۵۲ ۔ چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا
شرح اسباب گرفتاری خاطر مت پوچھ ۔ اس قدر تنگ ہوا دل کہ میں زنداں سمجھا
بدگمانی نے نہ چاہا اُسے سرگرم خرام ۔ ۵۳ ۔ رخ پہ ہر قطرہ عرق دیدۂ حیراں سمجھا
عجز سے اپنے یہ جانا کہ وہ بدخو ہوگا ۔ ۵۴ ۔ نبض خس سے تپش شعلۂ سوزاں سمجھا
سفر عشق میں کی ضعف نے راحت طلبی ۔ ۵۵ ۔ ہر قدم سائے کو میں اپنے شبستاں سمجھا
تھا گریزاں مژۂ یار سے دل تا دم مرگ ۔ ۵۶ ۔ دفع پیکان قضا اس قدر آساں سمجھا

دل دیا جان کے کیوں اس کو وفادار اسدؔ
غلطی کی کہ جو کافر کو مسلماں سمجھا

۵۱ جس طرح عنوان کی بے ربطی سے مضمون خط کی آشفتگی کا حال کھل جاتا ہے اسی طرح سے میری چین جبیں سے میرے غم پنہاں کا حال یار پر ظاہر ہو گیا۔ ۱۲
چین جبیں کی تشبیہ عنوان سے بہت مناسب ہے۔

۵۲ یعنی جب سے میں نے گریباں کی حقیقت سمجھی ہے اسے چاک کر رہا ہوں لیکن ہنوز صیقل آئینہ ایک الف سے زیادہ نہیں ہے۔ استعاروں کو حذف کرنے کے بعد یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ باوجود ترک تعلقات صفائی باطن خاطر خواہ حاصل نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم

۵۳ بدگمانی شوق نے یار کا مصروف خرام ہونا نہ چاہا۔ کیونکہ خرام سے قطرہ ہائے عرق جبین یار پر نمودار ہو جاتے جو دیدہ ہائے حیراں سے مشابہت رکھتے۔ پس رشک کو ان کا وجود بھی گوارا نہ ہوا۔ ۱۲

ے اپنی [illegible] سے تعبیر کیا ہے ۔۱۲

شه جب سفر کے تکان کا غلبہ ہوتا ہے تو مسافر دم لینے کے لیے سایہ تلاش کرتا ہے۔ یہاں جب سفر عشق میں ضعف راحت طلب ہوا تو شاعر کہتا ہے کہ میں سایے کو آرام گاہ سمجھا ۔۱۲

اس بیان سے اپنی کمال مجبوری کو ظاہر کرتا ہے یعنی عشق کا سخت سفر اس میں ضعف کا غلبہ اور آرام کے لیے سائے کی تلاش۔ وہاں سائے کا ناپید ہونا اور مجبوراً خود اپنے سائے کو شبستان سمجھنا استعاروں کو دور کرنے سے اس شعر کے مضمون سے یہ اشارہ پیدا ہوتا ہے کہ نہایت محرومی کی حالت میں انسان یاس و ناامیدی کو اپنا ہمدم بنا کر انہیں سے تسکین طلب ہوتا ہے۔

سه گویا مژگان یار کو پیکان قضا قرار دیا جس سے گریز کرنا بے سود تھا ۔۱۲

پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا	له	دل جگر تشنۂ فریاد آیا
دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز	عه	پھر ترا وقت سفر یاد آیا
سادگی ہائے تمنا یعنی	سه	پھر وہ نیرنگ نظر یاد آیا
عذر واماندگی اے حسرت دل	عه	نالہ کرتا تھا جگر یاد آیا
زندگی یوں بھی گذر ہی جاتی	ھه	کیوں ترا راہ گذر یاد آیا
کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی	له	گھر ترا خلد میں گر یاد آیا
آہ وہ جرأت فریاد کہاں	ىه	دل سے تنگ آ کے جگر یاد آیا
پھر ترے کوچے کو جاتا ہے خیال		دل گم گشتہ مگر یاد آیا
کوئی ویرانی سی ویرانی ہے	شه	دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

ىه	میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسدؔ سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

له جگر تشنہ یعنی تشنہ جگر یعنی آرزومند۔ مطلب یہ ہے کہ دیدۂ تر کی یاد نے پھر دل کو فریاد کا آرزومند بنا دیا ۔۱۲

عه پھر ترا وقت سفر یاد آیا یعنی پھر قیامت برپا ہوئی۔

دوست کو رخصت کرتے وقت جو دردناک کیفیت گذری تھی اور جو اس کے چلے جانے کے بعد رہ رہ کر یاد آتی ہے۔ اس میں جو کبھی کچھ وقفہ ہو جاتا ہے اس کو قیامت کے دم لینے سے تعبیر کیا ہے۔ (یادگار غالب)

سے اپنی تمنا کی سادگی کا ذکر کرتا ہے کہ تمنا کو نظر یار کی نیرنگیوں کا علم ہے لیکن پھر بھی وہ اسی نیرنگ نظر کو یاد کرتی ہے
سے حسرت دل کا تقاضا تھا کہ نالہ کیا جائے لیکن غالب واماندگی کا عذر پیش کرکے کہتا ہے کہ میں آمادۂ فریاد تھا لیکن اپنی کمزوری جگر کو یاد کرکے رہ گیا کیونکہ اس میں طاقت نالہ باقی نہیں ۱۲

ے جب کا ہکا ہی ممکن ہی نہیں ہے تو تیرا رہگذر کیا یاد آتا ہے یعنی جب وہاں بھی زندگی بحالت ناکامی بسر ہوگی تو اس کا یاد آنا عبث ہے یوں بھی زندگی کسی نہ کسی طور پر گذر ہی جاتی ۱۲

ے یعنی اس بحث میں کہ مکان یار اور خلد میں سے کون بہتر ہے ۱۲

ے دل میں جرأت فریاد نہ رہی تھی اس بنا پر اس سے تنگ آکر جگر یاد آیا کہ اس میں فریاد کی طاقت دل سے زیادہ تھی لیکن افسوس کہ اب جگر میں بھی یارائے فریاد نہیں ۱۲

ے یعنی دشت ویرانی میں گھر سے مشابہ ہے ۱۲

ے سر یاد آیا یعنی اپنا سر کہ کبھی ہم بھی بربنائے شوریدہ سری اسی طرح نشانۂ سنگ طفلاں ہوں گے یا یہ کہ مجنوں کے بجائے اپنے ہی سر میں پتھر مار لیا ۱۲

ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا
آپ آتے تھے مگر کوئی عناں گیر بھی تھا

تم سے بیجا ہے مجھے اپنی تباہی کا گلہ
اس میں کچھ شائبۂ خوبی تقدیر بھی تھا

تو مجھے بھول گیا ہو تو پتا بتلا دوں
کبھی فتراک میں تیرے کوئی نخچیر بھی تھا

قید میں ہے ترے وحشی کو وہی زلف کی یاد
ہاں کچھ اک رنج گرانباری زنجیر بھی تھا

ل بجلی اک کوند گئی آنکھوں کے آگے تو کیا
بات کرتے کہ میں لب تشنۂ تقریر بھی تھا

یوسف اس کو کہوں اور کچھ نہ کہے خیر ہوئی
گر بگڑ بیٹھے تو میں لائق تعزیر بھی تھا

ٹ دیکھ کر غیر کو ہو کیوں نہ کلیجا ٹھنڈا
نالہ کرتا تھا ولے طالب تاثیر بھی تھا

پیشے میں عیب نہیں رکھیے نہ فرہاد کو نام
ہم ہی آشفتہ سروں میں وہ جواں میر بھی تھا

۳ ہم تھے مرنے کو کھڑے پاس نہ آیا نہ سہی
آخر اس شوخ کے ترکش میں کوئی تیر بھی تھا

۴ پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا

ریختے کے تمہیں استاد نہیں ہو غالب
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

یعنی ان کو لازم تھا کہ تقریر بھی کرتے کیونکہ میں مشتاقِ تقریر تھا۔ یہ کیا کہ وہ دفعتہ آئے اور چلے گئے گویا ایک بجلی سی کوند گئی -۱۲

٢ دیکھ کر غیر کو ہو کیوں نہ کلیجہ ٹھنڈا کیونکہ اس کی فریاد بھی بے اثر ہے -۱۲

٣ یعنی ایک تیر ہی لگا دیا ہوتا۔ اس میں تو پاس آنے کی بھی ضرورت نہ تھی ۱۲

٤ فرشتوں کے لکھے پر یعنی کراماً کاتبین کی تحریر پر -۱۲

لب خشک در تشنگی مردگاں کا	١	زیارت کدہ ہوں دل آزردگاں کا
ہمہ نا امیدی ہمہ بدگمانی	٢	میں دل ہوں فریب وفا خوردگاں کا

١ میں گویا لب خشک ہوں ان لوگوں کا جو تشنگی میں مر گئے اور میں گویا زیارت کدہ ہوں آزردہ دل لوگوں کا۔ اس بیان سے انتہا محرومی منظور ہے -۱۲

٢ جو لوگ وفا فریب کھائے ہوئے ہوتے ہیں ان کا دل ہمہ نا امیدی و ہمہ بدگمانی ہوتا ہے یعنی سراسر یاس و نا امیدی ہوتا ہے۔ غالب کہتا ہے کہ میں گویا وہی دل ہوں -۱۲

تو دوست کسی کا بھی ستمگر نہ ہوا تھا	١	اوروں پہ ہے وہ ظلم کہ مجھ پر نہ ہوا تھا
چھوڑا مہ نخشب کی طرح دست قضا نے	٢	خورشید ہنوز اس کے برابر نہ ہوا تھا
توفیق باندازۂ ہمت ہے ازل سے	٣	آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا
جب تک کہ نہ دیکھا تھا قد یار کا عالم		میں معتقد فتنۂ محشر نہ ہوا تھا
میں سادہ دل آزردگی یار سے خوش ہوں	٤	یعنی سبق شوق مکرر نہ ہوا تھا
دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک	٥	میرا سر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا
	٦	جاری تھی اسد داغ جگر سے مری تحصیل آتش کدہ جاگیر سمندر نہ ہوا تھا

١ ظاہر مطلب یہ ہے کہ تو کسی کا دوست نہیں ہے اور تیرا جو ظلم مجھ پر نہیں ہے بلکہ اوروں پر پہنچا ہے اور مجھ سے زیادہ ہے۔ لیکن حقیقت میں غالب ایک نہایت نازک مطلب کو ادا کر رہا ہے کہتا ہے کہ جو ظلم مجھ پر نہیں ہوا وہ تو اوروں پہ کر رہا ہے چونکہ شرکت اغیار کسی صورت سے گوارا نہیں ہے اس لیے تیرا ظلم نہ کرنا بھی گویا مجھ پر ایک ظلم عظیم ہے۔ پس معلوم ہو گیا کہ میرے متعلق تیرا ترک جور بربنائے دوستی نہیں ۱۲

سلہ ماہ نخشب یعنی وہ چاند جسے حکیم ابن عطا مشہور بہ ابن مقنع نے سیماب وغیرہ اشیاء سے بمقام نخشب
تیار کیا تھا۔ یہ چاند دو ماہ تک برابر ایک چاہ سے نکلا کرتا تھا۔ لیکن روشنی اس کی چار فرسنگ
سے زیادہ نہ جا سکتی تھی اور اصلی چاند کے مقابلہ میں بالکل ناقص تھا۔ ۱۲
شاعر اس شعر میں خورشید کو روئے یار کے مقابلے میں ناقص قرار دیکر ماہ نخشب سے تشبیہ دیتا ہے ۱۲

سلہ دعوے یہ ہے کہ جس قدر ہمت عالی ہوتی ہے اسی کے موافق اس کی تائید غیب سے ہوتی ہے
اور ثبوت یہ ہے کہ قطرۂ اشک جس کو آنکھوں میں جگہ ملی ہے اگر اس کی ہمت بلند وہ دریا میں تھا
موتی بننے پر قانع ہو جاتی ہے تو اسکو جیسا کہ ظاہر ہے یہ درجہ آنکھوں میں جگہ ملنے کا حاصل نہ ہوتا۔ یادگار غالب

سلہ میری سادہ دلی دیکھیے کہ میں آزردگی یار سے خوش ہوں۔ کیونکہ مجھے امید ہے کہ صلح شوق کے بعد
سبق عشق کی تکرار میں بڑا لطف آئیگا۔ یعنی پھر سے محبت شروع ہوگی اور گویا آغاز محبت سے لیکر
انتہائے محبت تک کی ساری کیفیتیں ایک بار پھر پیدا ہوں گی۔ ۱۲

سلہ کہتا ہے کہ گناہ کرنے میں ہمارا حوصلہ اس قدر فراخ ہے کہ باوجودیکہ دریائے معاصی خشک ہوگیا
مگر ابھی ہمارے دامن کا پلہ تک نہیں بھیگا۔ (یادگار غالب از مولانا حالی)

سلہ سمندر چوہے کی قسم کا ایک جانور جس کی نسبت مشہور ہے کہ آتشکدوں میں پیدا ہوتا ہے اور
آگ ہی میں رہتا ہے۔ آتشکدوں میں جب ایک مدت دراز تک برابر آگ جلا کرتی ہے تب اس میں
سمندر پیدا ہوتا ہے اسی لحاظ سے غالب کہتا ہے کہ میں اس وقت سے داغ جگر سے تحصیل آتش مزاجی
کر رہا ہوں کہ سمندر کا وجود بھی نہ تھا۔ ۱۲۔ اپنا سمندر سے اور داغ جگر کا آتشکدے سے مقابلہ کیا ہے۔

شب کہ وہ مجلس فروز خلوت ناموس تھا	سلہ	رشتۂ ہر شمع خار کسوت فانوس تھا
مشہد عاشق سے اگتی ہے جو کوسوں تک حنا	سلہ	کس قدر یا رب ہلاک حسرت پابوس تھا
حاصل الفت نہ دیکھا جز شکست آرزو	سلہ	دل بدل پیوستہ گویا یک لب افسوس تھا
کیا کہوں بیماری غم کی فراغت کا بیان	سلہ	جو کہ کھایا خون دل بے منت کیموس تھا

سلہ ناموس یعنی عفت و عصمت۔ رشتۂ شمع وہ تاگا جو موم بتی میں ہوتا ہے۔ کسوت یعنی لباس
خار در پیراہن بودن محاورہ فارسی ہے جس کے معنی بے چین ہونے کے ہیں اسی کو غالب نے اردو
میں لیا ہے۔ کہتا ہے کہ شب کو کہ عصمت و عفت کی محفل خلوت میں محبوبہ بزم افروز تھا اس وقت شمع

کی یہ حالت تھی کہ اس کا ہر رشتہ اس کے حق میں خار پیراہن ہو گیا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ محبوب کی
خلوت ناموس میں (جہاں کسی کا گذر نہیں) شمع کی بھی بے قراری سے کچھ عجیب حالت ہو گئی تھی ۱۲۔
ھ یہ جو شہید عاشق سے کوسوں تک حنا لگتی ہے اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسے پابوسی کی حسرت
کس قدر تھی یعنی زندگی میں پابوسی یار حاصل نہ ہو سکی تو اب شاید اس طرح یہ ہو جاوے کہ اس کے
مشہد پر جو حنا اُگتی ہے وہ کسی دن پائے یار تک ہو پہنچے بقولے ؏

	بوسم من بے برگ دلوا برگ حنا را تا بوسہ پیغام دہم آں کف پا را

ھ ہم نے محبت کا نتیجہ سوا اس کے اور کچھ نہ دیکھا کہ آخر کار آرزو دل کا خون ہو گیا گویا کہ ناشوق اور
معشوق دونوں کے دل مل کر آب افسوس بن جاتے ہیں جس سے اظہار افسوس کے سوا اور
کچھ ممکن نہیں ہوتا۔
ھ غذا ہضم ہونے اور خون بننے سے پہلے طبخ اول میں کیلوس کی شکل اختیار کر کے آش کے مانند اور
اُسکے بعد طبخ دوم میں کیموس کی صورت پاکر پانی کے مانند ہو جاتی ہے اور خون کی شکل اختیار کرتی ہے
غالب بیچارہ غم عشق کی فراغت کا ذکر کرتا ہے کہ خون دل کے کھانے میں کیلوس و کیموس وغیرہ کے
جھگڑے پیش نہیں آئے اور ابتدا ہی سے خون جگر کھایا کیے۔

آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لے کے رہ گئے قاصد کو اپنے ہاتھ سے گردن نہ ماریئے	لہ	صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا اس کی خطا نہیں تھی یہ میرا قصور تھا

لہ "قاصد کو گردن نہ ماریئے" یعنی "قاصد را گردن مزن"۔

عرض نیاز عشق کے قابل نہیں رہا	لہ	جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا
جاتا ہوں داغ حسرت ہستی لیے ہوئے		ہوں شمع کشتہ درخور محفل نہیں رہا
مرنے کی اے دل اور ہی تدبیر کر کہ میں		شایان دست و بازوے قاتل نہیں رہا
بر روئے شش جہت در آئینہ باز ہے	ے	یاں امتیاز ناقص و کامل نہیں رہا
وا کر دیئے ہیں شوق نے بند نقاب حسن	ھ	غیر از نگاہ اب کوئی حائل نہیں رہا
گو میں رہا رہین ستمہائے روزگار	ھ	لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

دل سے ہوائے کشتِ وفا مٹ گئی کہ واں[5] حاصل سوائے حسرتِ حاصل نہیں رہا

	بیدادِ عشق سے نہیں ڈرتا مگر اسدؔ جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا	۸

[1] نیاز یعنی نیازمندی - جس دل پہ ناز تھا مجھے - یعنی جو نازبرداریِ یار کا متحمل تھا - ۱۲

[2] بہ روئے شش جہت یعنی ہر شخص کے لیے - ۔ اِس یعنی خانۂ آئینہ میں ۱۲

[3] یعنی اب بھی اگر دیدارِ حسن نصیب نہ ہو تو یہ اپنی نگاہ قاصر کا قصور ہے سمجھ لو کہ اور سب حجاب اُٹھ چکے ہیں - صرف حجابِ نگاہ باقی ہے - یہ بھی اُٹھ جائے تو پھر شاہد و مشہود میں کوئی فرق باقی نہ ہو

[4] یعنی باوجود مکروہاتِ زمانہ کے ہجوم کے تیری یاد دل سے نہ گئی - ۱۲

[5] واں یعنی کشتِ وفا میں - ہوا بمعنی آرزو - مطلب یہ ہے کہ اب آرزو سے ہی مٹ گئی کیونکہ وفا سے بھی بجز حسرت اور کچھ حاصل نہ ہوا - ۱۲

رشک کہتا ہے کہ اس کا غیر سے اخلاص حیف	[1]	عقل کہتی ہے کہ وہ بے مہر کس کا آشنا
ذرہ ذرہ ساغرِ میخانۂ نیرنگ ہے	[2]	گردشِ مجنوں بچشمکہائے لیلیٰ آشنا
شوق ہے سامان طرازِ نازشِ اربابِ عجز	[3]	ذرہ صحرا دستگاہ و قطرہ دریا آشنا
شکوہ سنجِ رشکِ ہمدیگر نہ رہنا چاہیے		میرا زانو مونس اور آئینہ تیرا آشنا
میں اور اک آفت کا ٹکڑا وہ دلِ وحشی کہ ہے	[4]	عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا

	کوہکن نقاشِ یک تمثالِ شیریں تھا اسدؔ سنگ سے سر مار کر ہووے نہ پیدا آشنا	

[1] اغیار کے ساتھ محبوب کا ربط و ضبط دیکھ کر عاشق رشک اور افسوس کرتا ہے لیکن پھر عقل کہتی ہے کہ رقیب کے ساتھ بھی اس کا اخلاص واقعی نہیں ہے کیونکہ وہ بے مہر بھلا کس کا آشنا ہوتا ہے -

[2] جس طرح گردشِ مجنوں چشمِ لیلیٰ کے اشارے کی پابند تھی اسی طرح دنیا میں ذرہ ذرہ نیرنگیِ عالم کا پابند ہے - ساقیِ قدرت کی نیرنگی

[3] عشق کی بابت کہتا ہے کہ اربابِ عجز کی نازش کا سامان اسی شوق کے ذریعے سے مہیا ہوتا ہے - کیونکہ اسی کی بدولت قطرہ دریا اور ذرہ صحرا ہو جاتا ہے ؎

عشق سے تیرے بڑھے کیا کیا دلوں کے مرتبے مہر ذروں کو کیا قطروں کو دریا کر دیا

۴ہ یعنی اب میرا اور اس دل کا ماتم ہے جو دشمن عافیت ہے اور آشنائے وحشت۔ پہلے مصرع میں "وا" اور "عطف" نا درست ہے۔ ۱۲

۵ہ کوہکن نے اس قدر عرق ریزی کی پھر بھی تمثال سنگ سے شیریں کو پیدا کر نہ سکا نہ کہ خود شیریں کو اس میں اشارہ اس امر کی جانب ہے کہ فرہاد کا عشق کامل نہ تھا ورنہ خود شیریں کا پیدا ہو جانا کچھ بعید نہ تھا۔ ۱۲

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا
بن گیا رقیب آخر تھا جو رازداں اپنا

۱ہ مے وہ کیوں بہت پیتے بزم غیر میں یا رب
آج ہی ہوا منظور ان کو امتحاں اپنا

منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے
عرش سے اُدھر ہوتا کاشکے مکاں اپنا

۲ہ دے وہ جس قدر ذلت ہم ہنسی میں ٹالیں گے
بارے آشنا نکلا ان کا پاسباں اپنا

درد دل لکھوں کب تک جاؤں انکو دکھلاؤں
انگلیاں فگار اپنی خامہ خونچکاں اپنا

گھستے گھستے مٹ جاتا آپ نے عبث بدلا
ننگ سجدہ سے میرے سنگ آستاں اپنا

۳ہ تا کرے نہ غمازی کر لیا ہے دشمن کو
دوست کی شکایت میں ہم نے ہمزباں اپنا

ہم کہاں کے دانا تھے کس ہنر میں یکتا تھے
بے سبب ہوا غالب دشمن آسماں اپنا

۱ہ بزم غیر میں بکثرت شراب نوشی سے محبوب کو اپنی مے کشی اور خودداری کا امتحان منظور ہے۔ غالب بطرز شکوہ کہتا ہے کہ ہماری بھی قسمت دیکھیے کہ آج ہی اُن کو اپنا امتحان منظور ہوا جب کہ وہ بزم غیر میں ہیں۔ کاش کہ ایسا امتحان میرے سامنے کرتے اور میرے ساتھ خوب پی کر بیہوش ہوتے۔

۲ہ یعنی خوب ہی ہوا کہ معشوق کے در کا پاسبان ہمارا جان پہچان نکلا اب ہمارے لیے اس بات کا موقع حاصل ہے کہ وہ جس قدر چاہے ذلت ہم کو دے ہم اس کو ہنسی میں ٹالتے رہیں گے اور یہ ظاہر کرتے رہیں گے کہ ہمارا قدیم آشنا ہے ہمارا اس کا قدیم سے یہی برتاؤ ہے۔ یادگار غالب

۳ہ رقیب کو شکایت کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن جب ہم اس کے سامنے چھپا کے یار کی شکایت کرتے ہیں تو اس قسم کی باتیں کرتے ہیں جس سے ثابت ہو کہ ہماری رائے میں اسے بھی ہو شکایت

حاصل ہے اور اس طرح پر ہم یار کے معاملے میں آتے ہی اپنا ہمزباں بنا لیتے ہیں کیونکہ اگر ایسا نہ کریں تو وہ یعنی رقیب ہمارے اس شکوہ و شکایت کی خبر یار تک پہونچا دے۔

سرمۂ مفت نظر ہوں مری قیمت یہ ہے		کہ رہے چشم خریدار پہ احساں میرا
رخصت نالہ مجھے دے کہ مبادا ظالم	۱	تیرے چہرے سے عیاں ہو غم پنہاں میرا

۱ یعنی کہیں ایسا نہ ہو کہ ضبط غم کی وجہ سے میں مر جاؤں اور تجھے رنج ہو اور اس طرح پر تیرے چہرے سے میرا غم پنہاں ظاہر ہو۔ یا یہ معنی ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا دل ضبط غم کرے اور اس کے اثر سے تیرے دل پر بھی چوٹ لگے جس کا اثر تیرے چہرے سے نمایاں ہو۔ ۱۲

غافل بہ وہم ناز خود آرا ہے ورنہ یاں	۱	بے شانۂ صبا نہیں طرہ گیاہ کا
بزم قدح سے عیش تمنا نہ رکھ کہ رنگ	۲	صید ز دام جستہ ہے اس دام گاہ کا
رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے	۳	شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا
مقتل کو کس نشاط سے جاتا ہوں میں کہ ہے	۴	پر گل خیال زخم سے دامن نگاہ کا

ش	جاں در ہوائے یک نگہ گرم ہے اسد پروانہ ہے وکیل ترے داد خواہ کا

۱ اے غافل اپنی کاروائی پر ناز کرتا ہے حالانکہ جب دنیا میں ایک طرہ گیاہ بھی ایسا نہیں ہے جس کو صبا شانہ کر کے آراستہ نہ کرتی ہو۔ تو ایسی حالت میں انسان کے لیے اپنی کاروائی پر ناز کرنا غفلت اور حماقت کی دلیل ہے۔ چاہیے کہ تمام کارروائیاں لطف الٰہی کی جانب منسوب کی جائیں۔

۲ تمنا نہ رکھنا اسی ترکیب کا ترجمہ ہے یعنی تمنا نہ کر۔ صید ز دام جستہ وہ شکار ہے جو دام سے نکل گیا ہو۔ کہتا ہے بزم سے خوشی سے عیش کی امید نہ رکھ کیونکہ اس بزم کا رنگ ایک ایسا شکار ہے جو قبضے میں نہیں رہ سکتا یعنی محفل عشرت کے رنگ کو ثبات نہیں ہے اس لیے اس سے عیش کی امید بیکار ہے۔ ۱۲

۳ کہتا ہے کہ ہم شرمندگی گناہ کی وجہ سے عذر گناہ نہیں کرسکتے۔ کیا عجب ہے کہ رحمت الٰہی شرمندگی کے سبب سے ہمارے اس عذر گناہ نہ کرنے ہی کو قبول کرلے۔ ۱۲

۴ اپنے شوق شہادت کا اظہار کرتا ہے کہ زخموں کی بہار میری نظر و لیاں میں ہے جس سے گویا نگاہ کا دامن پر از گل ہوگیا ہے۔ ۱۲ زخم کو پھول سے مشابہ کیا ہے۔

۵۹ ۔ ہوا یعنی شوق ۔ ہیرے داد خواہ کا یعنی اسد کا ۔ پروانے کو وکیل بنایا کیونکہ وہ شمع کا عاشق بھی جل کر اپنی جان اوے دیتا ہے اور گویا "جان در ہوائے یک نگہ گرم ہے" کا مصداق ہوتا ہے ۔ ۱۲

جور سے باز آئے پر باز آئیں کیا	لہ	کہتے ہیں ہم تجھ کو منہ دکھلائیں کیا
رات دن گردش میں ہیں سات آسماں		ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا
لاگ ہو تو اس کو ہم سمجھیں لگاؤ		جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا
ہو لیے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ		یا رب اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا
موج خوں سر سے گزر ہی کیوں نہ جائے		آستان یار سے اٹھ جائیں کیا
عمر بھر دیکھا کیے مرنے کی راہ	ٹہ	مر گئے پر دیکھیے دکھلائیں کیا

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

لہ وہ اپنی جفا سے اب اس قدر شرمندہ ہیں کہ مجھ سے کہتے ہیں کہ اب ہم تجھے کیا منہ دکھلائیں" پس غالب کہتا ہے کہ وہ جور و ستم سے باز آنے پر بھی باز نہ آئے کیونکہ شرم ستم کی بنا پر ان کا منہ نہ دکھلانا یہ بھی مجھ پر ظلم ہے ۔ ۱۲

ٹہ انھوں نے عمر بھر تو مجھ کو مرنے کی راہ دکھلائی اب میرے مر جانے پر دیکھیے کیا دکھلاتے ہیں ۔ ۱۲

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی	لہ	چمن زنگار ہے آئینۂ باد بہاری کا
حریف جوشش دریا نہیں خودداری ساحل	ٹہ	جہاں ساقی ہو تو باطل ہے دعویٰ ہوشیاری کا

لہ بغیر کثافت کے لطافت جلوہ گر نہیں ہو سکتی، مصرعہ ثانی اس بیان کا مثالی ثبوت ہے ۔ اس طرح کہ باد بہاری کا جلوہ چمن کے ذریعے سے نمودار ہوتا ہے ۔ حالانکہ چمن باعتبار اپنی سبزی کے گویا آئینۂ بہاری کا زنگار رہتا ہے ۔ دکھانا یہ ہے کہ یہاں بھی کثافت (زنگار چمن) کے بغیر لطافت (باد بہار) جلوہ گر نہ ہوئی ۔

ٹہ جس طرح سے کہ جوشش دریا کے مقابلے میں ساحل اپنے کو غرق آب ہونے سے روک نہیں سکتا اسی طرح سے جہاں تو ساقی ہو وہاں ہشیاری کا دعویٰ نہیں ہو سکتا ۔ ۱۲

۲ـ ارباب چمن یا جوانانِ چمن یعنی اشجار ہیں۔ سبزۂ ارباب چمن کے لیے سیہ مستی کا لفظ بہت مناسب ہے کیونکہ درختوں کی گہری سبزی سیاہی کی حد تک پہونچ جاتی ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ یہ جو چمن میں درخت مستانہ وار جھوم رہے ہیں ان کی اس جنبشِ سر کا سبب یہ ہے کہ سایۂ انگور میں ہوکر گذرنے کے سبب سے ہوا میں شراب کی تاثیر پیدا ہو گئی ہے۔

۳ـ موجِ شراب کو بالِ ہما سے مشابہ کرتا ہے یعنی ہما کے مانند موجِ شراب کا بھی سر سے گذرنا دلیلِ بخت مندی ہے۔ موجۂ شراب کے سر سے گذرنے میں نشے کے حد سے گذر جانے کی طرف اشارہ ہے۔ بخت مندی (اقبال مندی) کی معنوی قوت (جسے انگریزی میں فورس کہتے ہیں) اس شعر میں یہ ہے کہ اگر شراب کا استعمال باعتدال ہو تو اس کا کیا کہنا لیکن اگر اس کا نشہ حد سے متجاوز ہو جائے تب بھی بالِ ہما سے مشابہ ہے۔

۴ـ چار موج بمعنی گرداب۔ لطف یہ ہے کہ دوسرے مصرعے میں چار قسم کی موجوں کا ذکر بھی موجود ہے ۱۲۔

۵ـ جگر تشنہ یا تشنہ جگر بمعنی شایق۔ روحِ نباتی یعنی قوتِ نامیہ۔
جس قدر قوتِ نمو مشتاق ہے اسی قدر موجِ شراب (بہ دمِ آبِ بقا) اس کو تسکین دیتی ہے۔ یعنی شراب سے قوتِ نمو کے حسن ادراک کے باعث میں ترقی ہوتی ہے ۱۲۔

۶ـ موجِ شراب جو موجِ گل سے مشابہ ہے اس کے تصور سے گذرگاہِ خیال میں چراغاں کی سی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ ہجومِ گل کو چراغاں سے مشابہ کیا ہے۔

۷ـ نشو و نما یعنی نشو و نمائے دماغ بمعنی خیال و خواہش۔ یہ لفظ دماغ کی رعایت سے آیا ہے ۱۲۔
مطلب یہ ہے کہ شراب کو چونکہ نشو و نمائے دماغ کا خیال ہے اس لیے وہ بشکلِ نشہ معاینۂ دماغ کر رہی ہے ۱۲۔

۸ـ طوفانی یعنی جوش و خروش کا اظہار کرنے والے۔ فصل یعنی موسمِ بارش ۱۲۔
کہتا ہے کہ تمام طوفانیانِ کیفیتِ فصل (یعنی موجۂ سبزۂ نوخیز سے لیکر موجِ شراب تک) سب ایک ہی رنگ میں ہیں یعنی مستی کے عجب عالم میں ہیں ۱۲۔

۹ـ چونکہ موسمِ گل بھی ہنگامۂ ہستی کے مانند چند روزہ اور خوش گوار ہوتا ہے ۱۲۔ اس لیے اسے شرحِ ہنگامۂ ہستی لکھا۔ اور چونکہ شراب بھی بے خودی پیدا کرتی ہے جو فنا سے مشابہت رکھتی ہے۔ اس لیے اس کو "رہبرِ قطرہ بہ دریا" کہا کیونکہ فنا قطرے کو دریا سے اور جزو کو کل سے ملا دیتی ہے ۱۲۔

ردیف "ت"

افسوس کہ دنداں کا کیا رزق فلک نے	۱	جن لوگوں کی تھی درخورِ عقدِ گہر انگشت
کافی ہے نشانی تری چھلے کا نہ دینا		خالی مجھے دکھلا کے بوقتِ سفر انگشت

لکھتا ہوں اسدؔ سوزشِ دل سے سخنِ گرم
تا رکھ نہ سکے کوئی مرے حرف پہ انگشت

۱ جن لوگوں کی انگشت سلک گہر کے قابل تھی افسوس کہ فلک نے (اسے) دنداں کا رزق کیا یعنی افسوس کہ وہ لوگ انگشت حسرت بدنداں ہیں۔

رہا گر کوئی تا قیامت سلامت		پھر اک روز مرنا ہے حضرت سلامت
جگر کو مرے عشقِ خوں نابہ مشرب		لکھے ہے خداوندِ نعمت سلامت
علی الرغمِ دشمن شہیدِ وفا ہوں	۱	مبارک مبارک سلامت سلامت
نہیں گر سر و برگِ ادراکِ معنے	۲	تماشائے نیرنگِ صورت سلامت

۱ علی الرغم دشمن یعنی برخلاف خواہش رقیب۔ کیونکہ آئین محبت میں شہید وفا ہونا ایک بہت بڑا امتیاز ہے۔ ۱۲ خلاف خواہش رقیب شہید وفا ہونے پر مبارکبادیتا ہے۔

۲ سر و برگ یعنی سامان۔ صورت ضد معنی۔ مطلب یہ ہے کہ اگر دریافت حقیقت کی قوت نہیں ہے تو تماشائے صورت ہی سہی۔

شستگیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غالبؔ		یار لائے مری بالیں پہ اسے پر کس وقت

آمدِ خط سے ہوا ہے سرد جو بازارِ دوست	۱	دودِ شمعِ کشتہ تھا شاید خطِ رخسارِ دوست
اے دلِ ناعاقبت اندیش ضبطِ شوق کر		کون لا سکتا ہے تابِ جلوۂ دیدارِ دوست
خانہ ویراں سازیِ حیرت تماشا کیجیے	۲	صورتِ نقشِ قدم ہوں رفتۂ رفتارِ دوست
عشق میں بیدادِ رشکِ غیر نے مارا مجھے		کشتۂ دشمن ہوں آخر گرچہ تھا بیمارِ دوست
چشمِ ما روشن کہ اس بیدرد کا دل شاد ہے	۳	دیدۂ پرخوں ہمارا ساغرِ سرشارِ دوست

غیریوں کرتا ہے میری پرسش اسکے ہجر میں
بے تکلف دوست ہو جیسے کوئی غمخوار دوست

تاکہ میں جانوں کہ ہے اسکی رسائی واں تلک
مجھکو دیتا ہے پیام وعدۂ دیدار دوست

جبکہ میں کرتا ہوں اپنا شکوۂ ضعف دماغ
سر کرے ہے وہ حدیث زلف عنبر بار دوست

چپکے چپکے مجھکو روتے دیکھ پاتا ہے اگر
ہنس کے کرتا ہے بیان شوخی گفتار دوست

مہربانیہائے دشمن کی شکایت کیجئے
یا بیاں کیجے سپاس لذت آزار دوست

یہ غزل اپنی مجھے جی سے پسند آتی ہے آپ
ہے ردیف شعر میں غالبؔ ز بس تکرار دوست

۱ (آمد خط سے حسن یار کا بازار سرد ہوگیا) اس لئے خط رخسار یار کو بجھی ہوئی شمع کے دھوئیں سے مشابہ کیا
۲ خانہ ویراں سازی۔ خانہ خرابی۔ گھر کا اجاڑ دینا۔ رفتۂ رفتار۔ رفتار پر مٹا ہوا یعنی شیدائے رفتار۔ تماشا کیجیے فارسی محاورے کا ترجمہ ہے یعنی ملاحظہ کیجیے۔ خود کو باعتبار حیرانی و پامالی و خانہ بربادی نقش پا سے مشابہ کیا ہے
۳ مصرعۂ ثانی میں "ہے" کا محذوف ہونا بغایت ناگوار ہے۔ دیدۂ پرخوں کی رعایت سے (چشم ما روشن) اور چشم ما روشن کے لحاظ سے "دل شاد" نظم کیا ہے

ردیف "ج"

گلشن میں بندوبست برنگ دگر ہے آج
قمری کا طوق حلقۂ بیرون در ہے آج ۱

آتا ہے ایک پارۂ دل ہر فغاں کے ساتھ
تار نفس کمند شکار اثر ہے آج ۲

اے عافیت کنارہ کر اے انتظام چل
سیلاب گریہ درپئے دیوار و در ہے آج ۳

وہم مریض عشق کے تیماردار ہیں
اچھا اگر نہ ہو تو مسیحا کا کیا علاج ۴

۱ حلقۂ بیرون در یعنی بیرون در کی زنجیر کا حلقہ۔ مجازاً وہ شخص جسے اندر آنے کی اجازت نہ ہو شاید ہمارا محبوب سیر چمن کو آنے والا ہے۔ اس لیے کسی کو باغ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے اور گلوئے قمری کا طوق گویا حلقۂ بیرون در بنا ہوا ہے ۱۲
۲ تار نفس کی کمند نے اثر کو شکار کر لیا ہے یعنی آج ہماری آہ میں اثر پیدا ہوا ہے لیکن اس اثر کا نتیجہ

المطلب یہ ہے کہ ہر فغاں کے ساتھ ایک پارۂ دل باہر آتا ہے یعنی اثر آہ سے یوں ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ اثر آہ کے اس الٹے نتیجے کے ذکر سے اپنی بدبختی کا اظہار منظور ہے۔ ۱۲

۳؎ جل یعنی رخصت ہو۔ کیونکہ سیلاب گریہ کے مقابلے میں عافیت و انتظام بجُز و بجُو مشکل ہے۔
۴؎ لوگ اصرار کرتے ہیں تو لو ہم مریض عشق کی تیمارداری کرتے ہیں لیکن اگر مسیحا سے مریض عشق اچھا نہ ہوا تو پھر مسیحا کی کیا سزا (معاذ اللہ)
یا یہ کہ لو ہم مریض عشق کی تیمارداری کرتے ہیں لیکن جب یہ معلوم ہے کہ وہ اچھا نہ ہوگا تو مسیحا کا کیا علاج یعنی علاج مسیحا بیکار ہے۔ ۱۲

ردیف۔ چ

نفس نہ انجمنِ آرزو سے باہر کھینچ	۱؎	اگر شراب نہیں انتظارِ ساغر کھینچ
کمالِ گرمیٔ سعیِ تلاشِ دید نہ پوچھ	۲؎	برنگِ خار مرے آئینے سے جوہر کھینچ
تجھے بہانۂ راحت ہے انتظار اے دل	۳؎	کیا ہے کس نے اشارہ کہ نازِ بستر کھینچ
تری طرف ہے بحسرت نظارۂ نرگس	۴؎	بکوریٔ دل و چشمِ رقیب ساغر کھینچ
بنیم غمزہ ادا کر حقِ ودیعتِ ناز	۵؎	نیامِ پردۂ زخمِ جگر سے خنجر کھینچ
مرے قدح میں ہے صہبائے آتشِ پنہاں	۶؎	بروئے سفرہ کبابِ دلِ سمندر کھینچ

۱؎ نفس نہ انجمن آرزو سے باہر کھینچ یعنی ترک آرزو نہ کر۔ اگر شراب نہیں ہے تو انتظار ساغر ہی سہی بہرحال ترک آرزو نہ کر۔ ۱۲
۲؎ آئینہ یعنی میری حسرت دیدار کا آئینہ جس میں جوہروں کے بدلے کانٹے ہیں جسے کمال گرمی سعی تلاش کا نتیجہ سمجھنا چاہیے جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے کہ زیادہ تلاش اور دوڑ دھوپ کرنے والوں کے پاؤں میں کانٹے گڑھا کرتے ہیں۔
۳؎ انسان جب مائل خواب ہوتا ہے تو اس کو بستر کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کو خواب کے لیے گویا بستر کا ناز کھینچنا پڑتا ہے۔ یہاں شاعر دل کو خطاب کر کے کہتا ہے کہ تیری راحت

سے کے پیمانہ میں خواب اور بار کشی بستر کے بجائے انتظار یار کافی ہے - ۱۲

۵۳ بکری دل چشم رقیب یعنی علی الرغم عدو - خلاف توہین نرگس جو تجھے بے تکلف مصروف مے نوشی دیکھنا چاہتی ہے - مطلب یہ ہے کہ نرگس تیری طرف بڑی حسرت سے دیکھ رہی ہے اس لیے تجھکو چاہیے کہ تو باغ میں اسی طرح بے تکلف شراب نوشی میں مشغول ہو۔ نرگس کو اس کی نگاہ حسرت کے لحاظ سے اپنا رقیب قرار دیا۔

۵۴ میں نے تیرے خنجر کو پیشۂ زخم جگر کے نیام میں امانت رکھا ہے اب تو بھی اس کا حق (یعنی) با مزد امانت "یہ نیم غمزہ ادا کر" ۱۲ - لطف یہ ہے کہ نیام سے خنجر یا الف سے کے نکالنے کے بعد "نیم" باقی رہ جاتا ہے

۵۵ آتش پنہاں کی شراب کے ساتھ دل سمندر کے کباب کی ضرورت ہے - ۱۲

کھینچ یعنی پیت ہے۔

ردیف "د"

حسن غمزے کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد
بارے آرام سے ہیں اہل جفا میرے بعد

منصب شیفتگی کے کوئی قابل نہ رہا
ہوئی معزولی انداز و ادا میرے بعد

شمع بجھتی ہے تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے
شعلۂ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد

خوں ہے دل خاک میں احوال بتاں پر یعنی
ان کے ناخن ہوئے محتاج حنا میرے بعد

در خور عرض نہیں جوہر بیداد کو جا
نگہ ناز ہے سرمے سے خفا میرے بعد

ہے جنوں اہل جنوں کے لیے آغوش وداع
چاک ہوتا ہے گریباں سے جدا میرے بعد

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق
ہے مکرر لب ساقی میں صلا میرے بعد

غم سے مرتا ہوں کہ اتنا نہیں دنیا میں کوئی
کہ کرے تعزیت مہر و وفا میرے بعد

آئے ہے بیکسی عشق پہ رونا غالبؔ
کس کے گھر جائے گا سیلاب بلا میرے بعد

[1] مجملاً احوالِ بتاں پر افسوس ظاہر کیا کہ میرے بعد میرے سوگ میں انھوں نے مہندی لگانا چھوڑ دیا ہے ۔

[2] عرض یعنی کسی چیز کا کسی پر ظاہر کرنا۔ جوہرِ بیداد کے اظہار کے لیے اب کوئی جائے مناسب باقی نہیں ہے یعنی میرے بعد ان کے ستمِ ناز کا تختۂ مشق بننے کے لیے کوئی باقی نہیں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ میرے بعد انھوں نے مہندی کی طرح سرمہ لگانا بھی چھوڑ دیا ہے گویا ان کی نگاہِ ناز میرے سے خفا ہے ۔

[3] آغوشِ وداع ہے۔ یعنی رخصت ہو رہا ہے

[4] مصرعۂ اول مجموعۂ الفاظ صلا ہے۔ پہلی بار ساقی سوالیہ لہجے میں دریافت کرتا ہے کہ "کون ہوتا ہے حریفِ مئے مرد افگنِ عشق" یعنی کوئی ہے جو مئے مرد افگنِ عشق کا حریف ہو۔؟
پھر جب اس آواز پر کوئی نہیں آتا تو اسی مصرعے کو مایوسی کے لہجے میں کرر پڑھتا ہے کہ "کون ہوتا ہے حریفِ مئے مرد افگنِ عشق" یعنی کوئی نہیں ہوتا (یادگارِ غالب)

ردیف "ر"

بلا سے ہیں جو یہ پیشِ نظر در و دیوار [1] نگاہِ شوق کو ہیں بال و پر در و دیوار

وفورِ اشک نے کاشانے کا کیا یہ رنگ [2] کہ ہو گئے مرے دیوار و در در و دیوار

نہیں ہے سایہ کہ سن کر نویدِ مقدمِ یار [3] گئے ہیں چند قدم پیشتر در و دیوار

ہوئی ہے کس قدر ارزانیِ مئے جلوہ کہ مست ہے ترے کوچے میں ہر در و دیوار

جو ہے تجھے سرِ سودائے انتظار تو آ [4] کہ ہیں دکانِ متاعِ نظر در و دیوار

ہجومِ گریہ کا سامان کب کیا میں نے کہ گر پڑے نہ مرے پاؤں پر در و دیوار

وہ آ رہا مرے ہمسائے میں تو سائے سے [5] ہوئے فدا در و دیوار پر در و دیوار

نظر میں کھٹکے ہے بن تیرے گھر کی آبادی ہمیشہ روتے ہیں ہم دیکھ کر در و دیوار

نہ پوچھ بے خودیِ عیشِ مقدمِ سیلاب کہ ناچتے ہیں پڑے سر بسر در و دیوار

نہ کہہ کسی سے کہ غالب نہیں زمانے میں
حریفِ رازِ محبت مگر در و دیوار

لرزتا ہے مرا دل زحمتِ مہرِ درخشاں پر ⁽¹⁾ — میں ہوں وہ قطرۂ شبنم کہ ہو خارِ بیاباں پر

نہ چھوڑی حضرتِ یوسف نے یاں بھی خانہ آرائی ⁽²⁾ — سفیدی دیدۂ یعقوب کی پھرتی ہے زنداں پر

فنا تعلیمِ درسِ بیخودی ہوں اس زمانے سے ⁽³⁾ — کہ مجنوں لام الف لکھتا تھا دیوارِ دبستاں پر

فراغت کس قدر رہتی مجھے تشویشِ مرہم سے — بہم گر صلح کرتے پارہ ہائے دل نمکداں پر

نہیں اقلیمِ الفت میں کوئی طومارِ ناز ایسا ⁽⁴⁾ — کہ پشتِ چشم سے جس کے نہ ہووے مہر عنواں پر

مجھے اب دیکھ کر ابرِ شفق آلودہ یاد آیا ⁽⁵⁾ — کہ فرقت میں تری آتش برستی تھی گلستاں پر

بجز پروازِ شوقِ ناز کیا باقی رہا ہوگا ⁽⁶⁾ — قیامت اک ہوائے تند ہے خاکِ شہیداں پر

نہ لڑ ناصح سے غالب کیا ہوا گر اس نے شدت کی
ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریباں پر

---

(1) اول تو قطرۂ شبنم ہی کی کیا ہستی دوسرے وہ قطرہ بھی کیسا قطرہ جو خارِ بیاباں کی نوک پر ہو یعنی جسکا خود بخود فنا ہو جانا یقینی ہو۔ شاعر کہتا ہے کہ میرا دل مہرِ درخشاں کی زحمت پر لرزتا ہے کہ وہ ایک ایسے قطرۂ ناچیز کے فنا کرنے کی تکلیف اٹھاتا ہے گویا ع۔ شاہباز سے پشہ کا رکے سے آید ۱۲

(2) "پھرتی ہے" میں ایہام ہے۔ ایک تو سفیدیِ چشمِ یعقوب کی جو دیوارِ زنداں پر شوقِ تلاش و دیدارِ حضرت یوسف میں پھرتی ہے۔ دوسرے سفیدی جو مکانوں پر آرائش اور صفائی کی غرض سے پھیری جاتی ہے

(3) میں درسِ بیخودی میں تعلیمِ فنا اس وقت سے پاتا ہوں کہ مجنوں طفلِ مکتب تھا اور مکتب کی دیواروں پر بچوں کی طرح لکیریں کھینچا کرتا تھا (لا اور فنا میں رعایتِ لفظی ہے)

(4) طومار بمعنی دفتر۔ پشتِ چشم کنایہ از غمزہ و اغماض۔ اقلیمِ الفت میں کوئی طومارِ ناز ایسا نہیں جسکے عنوان پر پشتِ چشم سے مہر نہ ہو یعنی جس طرح دفتر پر مہر کا ہونا ضروری ہے اسی طرح ناز کے ساتھ آنکھ چرانا بھی ضرور ہوتا ہے۔

(5) ہجرِ یار میں ابرِ شفق آلود دیکھکر بمقتضائے حسرت ہمیں نے یہ نتیجہ نکالا کہ گلشن پر آگ برستی تھی۔ ۱۲ "اب یاد آیا" یعنی اس وقت تک فرطِ صدمۂ ہجر کے سبب سے اس بات کا خیال بھی نہ آیا تھا۔

(6) قیامت میں مردے زندہ ہو کر اٹھیں گے لیکن شاعر کہتا ہے کہ تیرے شہیدوں میں سوائے "پروازِ شوقِ ناز" اور کیا باقی رہا ہوگا جو قیامت انھیں اٹھائیگی۔ ان کے لیے تو قیامت گویا ایک ۔۔۔

ہوا سے تند ہو گی جو ان کی خاک کو (جو پہلے ہی سے شوق ناز میں اڑ رہی ہے) کچھ اور بھی پریشان کر دے گی ۔ ۱۲

شه اس شعر کے لطف کا اندازہ قوت تحریر سے بالاتر ہے محرومی اور مجبوری کی کیا خوب تصویر کھینچی ہے کہتا ہے کہ اگر ناصح ہم پر شدت اور سختی گری کرتا ہے تو ہم اپنا گریبان چاک کر ڈالیں گے ۔ دیکھنا یہ ہے کہ ناصح کی شدت کا عوض کس طور پر اور کس سے لینا چاہتا ہے اور اس میں مجبوری کا کیا پہلو نکلتا ہے

ہے بس کہ ہر اک ان کے اشارے میں نشاں اور	له	کرتے ہیں محبت تو گزرتا ہے گماں اور
یارب وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات		دے اور دل ان کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور
ابرو سے ہے کیا اس نگہ ناز کو پیوند	٢ه	ہے تیر مقرر مگر اس کی ہے کماں اور
تم شہر میں ہو تو ہمیں کیا غم جب اٹھیں گے	٣ه	لے آئیں گے بازار سے جا کر دل و جاں اور
ہر چند سبک دست ہوئے بت شکنی میں	٤ه	ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہیں سنگ گراں اور
ہے خون جگر جوش میں دل کھول کے روتا		ہوتے جو کئی دیدۂ خونابہ فشاں اور
مرتا ہوں اس آواز پہ ہر چند سر اڑ جائے	٥ه	جلاد کو لیکن وہ کہے جائیں کہ ہاں اور
لوگوں کو ہے خورشید جہاں تاب کا دھوکا		ہر روز دکھاتا ہوں میں اک داغ نہاں اور
لیتا نہ اگر دل تمہیں دیتا کوئی دم چین	٦ه	کرتا جو نہ مرتا کوئی دن آہ و فغاں اور
پاتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے		رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

له "ہوتا ہے گماں اور" یعنی یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ اظہار محبت اس لیے کرتے ہیں کہ ہماری دلبستگی اور عشق کا حال دریافت کر لیں ۔ جب ان کو ہمارے عشق کا یقین ہو جائے گا تو محبت کی بجائے ناز معشوقانہ شروع کر دیں گے ۔ ۱۲

٢ه نگہ ناز کو تیر قرار دیا ہے لیکن کہتا ہے کہ اس تیر کی کمان ابرو نہیں ہے بلکہ اور ہی کچھ ہے مثلاً کمان دلربائی کہ مثل کمان قضا اس کا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا ۔ ۱۲

٣ه یعنی تمہارے عہد میں دل فروشی اور جان فروشی کا بازار گرم ہے ۔ ۱۲

۵۴ سبک دست یعنی مشتاق۔ ہم یعنی ہماری ذات یا ہمارا وجود۔
مطلب یہ ہے کہ جب تک اپنی ہستی سے گذر نہ جائیں ہم راہ معرفت طے نہیں کر سکتے۔ ۱۲
۵۵ "ہاں اور" میں چونکہ حکم کا پہلو نکلتا ہے۔ اس لیئے "کیے جائیں" کا صلہ "کو" بھی صحیح ہے مثلاً "ساتھ والوں کو کہا کہ یہ سب نقد و جنس بار کر لو" (باغ و بہار میر امن صفحہ
"جلاد سے کیے جائیں" زیادہ فصیح سمجھا جاتا ہے۔
۵۶ اس شعر کی نثر یوں ہے "اگر تمہیں دل نہ دیتا (تو) کوئی دم (اور) چین لیتا۔ اور جو (اگر) نہ مرتا (تو) کوئی دن اور آہ و فغان کرتا"

صفائے حیرتِ آئینہ ہے سامانِ زنگ آخر		تغیر آبِ برجا ماندہ کا پاتا ہے رنگ آخر
نہ کی سامانِ عیش و جاہ نے تدبیر وحشت کی		ہوا جامِ زمرد بھی مجھے داغِ پلنگ آخر

۱ آبِ برجا ماندہ۔ پانی جو ایک جگہ پر ٹھیرا رہے۔ اس کا رنگ متغیر ہو جاتا ہے۔ اُسی طرح سے آئینے کی صفا حیرت ہی سے زنگ پیدا ہو جاتا ہے۔ آئینے کو پانی سے اور پانی پر کی کائی کو زنگ سے تشبیہ دی ہے ۱۲
۲ تدبیر یعنی علاج۔ سامانِ عیش سے میری وحشت کا علاج نہیں ہوتا بلکہ وحشت اور بھی بڑھ جاتی ہے اور جامِ زمردین داغِ پلنگ معلوم ہوتا ہے

جنون کی دستگیری کس سے ہو گر ہو نہ عریانی	۱	گریبان چاک کا حق ہو گیا ہے میری گردن پر
بہ رنگِ کاغذِ آتش زدہ نیرنگِ بیتابی	۲	ہزار آئینہ دل باندھے ہے بالِ یک تپیدن پر
فلک سے ہم کو عیشِ رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہے	۳	متاعِ بردہ کو سمجھے ہوئے ہیں قرض رہزن پر
ہم اور وہ بے سبب رنج آشنا دشمن کہ رکھتا ہے	۴	شعاعِ مہر سے تہمت نگہ کی چشمِ روزن پر
فنا کو سونپ گر مشتاق ہے اپنی حقیقت کا		فروغِ طالعِ خاشاک ہے موقوف گلخن پر
	اسدؔ بسمل ہے کس انداز کا قاتل سے کہتا ہے	
	کہ مشقِ ناز کر خونِ دو عالم میری گردن پر	

۱ چاک گریبانی کا نتیجہ عریانی ہے اور عریانی دستگیر جنون ہے۔ پس گریبان سے خطاب کر کے کہتا ہے کہ اے گریبان میں چونکہ آشنائے جنون ہوں اس لیے اس چاک کا میری گردن پر حق ہو گیا ہے۔ کیونکہ اس نے مجھ کو عریان کر کے گویا میرے جنون کی دستگیری کی ہے۔ ۱۲

۲ـ اس شعر کی نثر یون ہی نیرنگ بیتابی۔ یک بال تپیدن پر دہر رنگ کاغذ آتش زدہ ہزار آئینہ دل باندھے ہی۔ نیرنگ یعنی شعبدہ باز۔ بال یعنی بازو۔
کاغذ آتش زدہ پر جل جانے کے بعد ہزارون نقطہاے روشن نمودار ہوجاتے ہین۔ غالب نے بال تپیدن کو کاغذ آتش زدہ سے تعبیر کیا ہی اور اسکے نقطہاے روشن کو دلون سے مشابہ کیا۔ ۱۲

۳ـ متاع بردہ یعنی لوٹی ہوئی متاع۔ یہ مضمون بالکل وقوعیات مین سے ہی جو لوگ آسودگی کے بعد مفلس ہوجاتے ہین وہ ہمیشہ اپنے تئین مظلوم و ستم رسیدہ و فلک زدہ سمجھا کرتے ہین اور اخیر دم تک اس بات کے متوقع رہتے ہین کہ ضرور کبھی نہ کبھی ہمارا انصاف ہوگا اور ہمارا اقبال پھر عود کریگا (یادگار غالب)

۴ـ بے سبب رنج یعنی بے سبب آزردہ ہوجانیوالا۔ مصرعۂ ثانی لفظ بے سبب رنج کی تشریح کرتا ہی۔ یعنی ہم کو اس بے سبب رنج اور آشنا دشمن محبوب سے کام پڑا ہی جو شعاع مہر کو تار نظر قرار دیکر چشم روزن پر نظر بازی کی تہمت رکھتا ہی۔ ۱۲

ستمکش مصلحت سے ہون کہ خوبان تجھ پہ عاشق ہین	۱ـ	تکلف بر طرف مل جائیگا تجھسا رقیب آخر

۱ـ تو کہ محبوب محبوبان عالم ہے۔ تیرے چاہنے والون مین سے میرا کوئی ایسا رقیب نکل آئیگا جو تجھ سا حسین ہوگا۔ مین اس سے دل لگاؤن گا۔ ۱۲

لازم تھا کہ دیکھو مرا رستا کوئی دن اور		تنہا گئے کیون اب رہو تنہا کوئی دن اور
مٹ جائیگا سر گر ترا پتھر نہ گھسے گا		ہون در پہ ترے ناصیہ فرسا کوئی دن اور
آئے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤن		مانا کہ ہمیشہ نہین اچھا کوئی دن اور
جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملین گے	۱ـ	کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور
ہان اے فلک پیر جوان تھا ابھی عارف		کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور
تم ماہ شب چاردہم تھے مرے گھر کے	۲ـ	پھر کیون نہ رہا گھر کا وہ نقشہ کوئی دن اور
تم کون سے تھے ایسے کھرے داد و ستد کے		کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور
مجھسے تمہین نفرت سہی نیر سے لڑائی		بچون کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور
گذری نہ بہر حال یہ مدت خوش و ناخوش		کرنا تھا جوان مرگ گذارا کوئی دن اور

ناداں ہو جو کہتے ہو کہ کیوں جیتے ہیں غالب
قسمت میں ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور

سلہ کیا خوب قیامت بھی ہے گویا کوئی دن اور" یعنی ہمارے لیے تمہاری موت کی وجہ سے آج ہی قیامت ہے ۱۲

سلہ اسمیں اشارہ یہ ہے کہ بدر بھی رفتہ رفتہ کم ہو کر غائب ہوتا ہے۔ پس تمہارا دفعتاً مرجانا قیامت ہے ۱۲

ردیف "ز"

فارغ مجھے نہ جان کہ مانندِ صبح و مہر	سلہ	ہے داغِ عشق زینتِ جیبِ کفن ہنوز
ہے نازِ مفلساں زرِ از دست رفتہ پر	سلہ	ہوں گلفروشِ شوخیٔ داغِ کہن ہنوز
میخانۂ جگر میں یہاں خاک بھی نہیں	سلہ	خمیازہ کھینچے ہے بتِ بیداد فن ہنوز

سلہ جیبِ کفن کو صبح سے اور داغِ عشق کو آفتاب سے تشبیہ کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مرنے پر بھی مشغلۂ عشق باقی ہے ۱۲

سلہ مفلس لوگ اپنی گذشتہ امارت پر ناز کیا کرتے ہیں۔ اسی طرح میں اپنے داغہائے کہن کو یاد کرکے ناز کیا کرتا ہوں ۱۲

سلہ "خمیازہ کھینچے ہے بتِ بیداد فن ہنوز" یعنی شرابِ خون کی تمنا میں حالانکہ اب دل میں خون کا نشان بھی نہیں ہے۔ اس شعر میں بیدادگری کی خونخواری کا ذکر ہے۔

حریفِ مطلبِ مشکل نہیں فسونِ نیاز	سلہ	دعا قبول ہو یا رب کہ عمرِ خضر دراز
نہ ہو بہرزہ بیاباں نوردِ وہمِ وجود	سلہ	ہنوز تیرے تصور میں ہے نشیب و فراز
وصالِ جلوہ تماشا ہے پر دماغ کہاں	سلہ	کہ دیجے آئینۂ انتظار کو پرداز
ہر ایک ذرۂ عاشق ہے آفتاب پرست		گئی نہ خاک ہوئے پر ہوائے جلوۂ ناز
نہ پوچھ وسعتِ میخانۂ جنوں غالب		جہاں یہ کاسۂ گردوں ہے ایک خاک انداز

سلہ کہتا ہے کہ کسی مشکل مقصد کے حل ہونے میں تو عجز و نیاز نے کچھ کام نہ دیا ناچار اب یہی دعا مانگیں گے کہ الٰہی خضر کی عمر دراز ہو یعنی ایسی چیز طلب کریں گے جو پہلے ہی دی جا چکی ہو (یادگار غالب) خدا سے ازراہ طعن و شوخی کہتا ہو کہ اور کوئی دعا قبول تو نہ ہوئی اسی کو قبول کر ۱۲ (یادگار غالب)

سلہ بہرزہ یعنی بیکار تیرے تصور میں نشیب و فراز ہیں۔ یعنی تیرا تصور ناتمام اور قاصر ہے۔ مطلب یہ ہو کہ وحدت وجود کا عقیدہ اختیار کرنا چاہیے تاکہ وجود اشیائے عالم کے متعلق تمام اوہام سے نجات حاصل ہو جائے۔

سلہ جلوہ تماشا ترکیب فارسی۔ پرداز یعنی صیقل ۱۲

کہتا ہے کہ انتظار کے بعد جلوۂ وصل ممکن ہو لیکن انتظار کی طاقت کس کو ہو۔ ۱۲

سلہ خاک انداز وہ ظرف جس میں مکان کا کوڑا کرکٹ جمع کر کے پھینکا جائے ۱۲

دستِ سعی کرم دیکھ کہ سرتاسر خاک	گذرے ہے آبلہ پا ابر گہربار ہنوز
یک قلم کاغذ آتش زدہ ہے صفحۂ دشت	نقش پا میں ہے تپش گرمی رفتار ہنوز

سلہ کریموں کی کوشش کرم کی وسعت کو دیکھ کہ تمام زمین پر ابر آبلہ پائی کی حالت میں بھی گہرباری کرتا گذرتا ہو۔ قطرات باران کی بنا پر ابر کو آبلہ پا کہا۔ ظاہر یہ کرتا ہو کہ سعی کرم میں اسکے پاؤں میں آبلے پڑ گئے ہیں پھر بھی وہ بمقتضائے شان کرم بدستور اپنے کام میں مشغول ہو

سلہ ہمارے نقش قدم میں گرمی رفتار کا بخار ہنوز باقی ہو جس سے صفحۂ دشت یکسر کاغذ آتش زدہ کے مانند جل رہا ہو (وثوق صراحت۔ از جناب آلہ دکنی)

کیونکر اس بت سے رکھوں جان عزیز	سلہ	کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز
دل سے نکلا پہ نہ نکلا دل سے	سلہ	ہے ترے تیر کا پیکان عزیز
تاب لاتے ہی بنے گی غالب		واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

سلہ یعنی جان نثاری عین ایمان ہو۔ یا یہ کہ وہ بت میرا ایمان ہو پس جان ایمان پر سے قربان ۱۲

سلہ "پہ نہ نکلا دل سے" یعنی فراموش نہوا۔ اور اسکی محبت ہنوز دل میں باقی ہے ۱۲

نہ گل نغمہ ہوں نہ پردۂ ساز	میں ہوں اپنی شکست کی آواز

تو اور آرائشِ خمِ کاکل ۔ مین اور اندیشہاے دور دراز ۱؎

لافِ تمکین فریبِ سادہ دلی ۔ ہم ہین اور رازہاے سینہ گداز ۲؎

ہون گرفتارِ الفتِ صیاد ۔ ورنہ باقی ہے طاقتِ پرواز

وہ بھی دن ہو کہ اُس ستمگر سے ۔ ناز کھینچون بجاے حسرتِ ناز

نہین دل مین مرے وہ قطرۂ خون ۔ جس سے مژگان ہوئی نہ ہو گلباز

اے ترا غمزہ یک قلم انگیز ۔ اے ترا ظلم سر بسر انداز

تو ہوا جلوہ گر مبارک ہو ۔ ریزشِ سجدۂ جبینِ نیاز

مجھکو پوچھا تو کچھ غضب نہ ہوا ۔ مین غریب اور تو غریب نواز

اسد اللہ خان تمام ہوا ۔ اے دریغا وہ رندِ شاہد باز

۱؎ اندیشہاے دور دراز مثلاً یہ اندیشہ کہ تیری آرائش میرے کمال محبت سے بدگمانی کے باعث سے ہے یعنی تو یہ سمجھتا ہے کہ مجھے گرفتار وفا رکھنے کے لیے ہنوز آرائش ظاہری کی ضرورت باقی ہے حالانکہ میری محبت اس سے مستغنی ہے۔ ۱۲

۲؎ مطلب یہ ہے کہ ہم بہ سبب سادہ دلی ابھی تک یہی سمجھ جاتے ہین کہ عشق مین جولانے صبر و تمکین کا نباہنا ممکن ہے حالانکہ ایسے رازہاے سینہ گداز کے ہوتے ہوے تمکین و وقار کا باقی رہنا بہت مشکل ہے۔ ۱۲ لاف یعنی ادعا

ردیف "س"

مژدہ اے ذوقِ اسیری کہ نظر آتا ہے ۔ دامِ خالی قفسِ مرغِ گرفتار کے پاس ۱؎

جگرِ تشنۂ آزار تسلی نہ ہوا ۔ جوے خون ہمنے بہائی بُنِ ہر خار کے پاس ۲؎

مُند گئین کھولتے ہی کھولتے آنکھین ہے ہے ۔ خوب وقت آئے تم اس عاشقِ بیمار کے پاس

مین بھی رک رک کے نہ مرتا جو زبان کے بدلے ۔ دشنہ اک تیز سا ہوتا مرے غمخوار کے پاس

دہنِ شیر مین جا بیٹھیے لیکن اے دل ۔ نہ کھڑے ہوجیے خوبانِ دل آزار کے پاس

دیکھ کر تجھ کو چمن بسکہ نمو کرتا ہے
خود بخود پہنچے ہے گل گوشۂ دستار کے پاس

مر گیا پھوڑ کے سر غالب وحشی ہے ہے
بیٹھنا اُس کا وہ آ کر تری دیوار کے پاس

سلہ دام یعنی دوسرا خالی دام جو اس غرض سے رکھا جاتا ہو کہ آزاد طائر بھی آ کر گرفتار ہو جائیں
سلہ تشنۂ آزار یعنی خواہشمند آزار یعنی ایذا دوست۔ تسلی نہوا ترجمہ تسلی نشد یعنی تسکین
نہ ہوئی ایک ایک خار کے پاس پائے نگار سے خون کی ندیاں بہ گئیں اس پر بھی میری ایذا دوست
جگر کی تسکین نہ ہوئی۔

ردیف "ش"

نہ لیوے گر خس جوہر طراوت سبزۂ خط سے
لگا دے خانۂ آئینہ میں روئے نگار آتش

فروغ حسن سے ہوتی ہے حل مشکل عاشق
نہ نکلے شمع کے پا سے نکالے گر نہ خار آتش

روئے یار کے فروغ حسن کا ذکر کرتا ہے کہ اگر جوہر آئینہ (جسے خس جوہر کہا) سبزۂ خط سے
طراوت نہ حاصل کرے تو یقیناً خانۂ آئینہ میں آگ لگ جائے ۱۲
جوہر کی صورت خس سے مشابہ ہوتی ہے۔
سلہ (نثر) فروغِ حسن سے عاشق کی مشکل حل ہوتی ہے (مثلاً دیکھو کہ) اگر آتش پائے شمع سے
خار نکالے تو کبھی (وہ خار) نہ نکلے (یہ اس شعر کی نثر ہوئی)
آتش کو فروغ حسن سے، شمع کو عاشق سے اور رشتۂ شمع کو خار شمع سے مشابہ
کیا ہے۔
جب موم بتی روشن ہوتی ہے تو رشتۂ شمع جل کر (گویا) پائے شمع سے نکل جاتا ہے یعنی
آتش سے شمع کی مشکل حل ہوتی ہے۔ یا مطابق تشبیہات مذکورۂ بالا فروغ حسن سے حل
مشکل عاشق ہوتی ہے۔ ۱۲

ردیف "ع"

جادۂ رہ خور کو وقتِ شام ہے تارِ شعاع
چرخ وا کرتا ہے ماہِ نو سے آغوشِ وداع

۱ آفتاب کے لیئے شام کے وقت تارِ شعاع کو جادۂ راہ قرار دیا اور ماہِ نو کو آغوشِ وداع یعنے شام کے وقت آفتاب آمادۂ سفر ہے اور آسمان اسے رخصت کرنے کے لیے تیار۔

رخِ نگار سے ہے سوزِ جاودانیِ شمع
ہوئی ہے آتشِ گل آبِ زندگانیِ شمع ۱

زبانِ اہلِ زباں میں ہے مرگ خاموشی
یہ بات بزم میں روشن ہوئی زبانیِ شمع ۲

کرے ہے صرف بایمائے شعلہ قصہ تمام
بطرزِ اہلِ فنا ہے فسانہ خوانیِ شمع

غم اس کو حسرتِ پروانہ کا ہے اے شعلہ
ترے لرزنے سے ظاہر ہے ناتوانیِ شمع ۳

ترے خیال سے روح اہتزاز کرتی ہے
بجلوہ ریزیِ باد و بہ پرفشانیِ شمع

نشاطِ داغِ غمِ عشق کی بہار نہ پوچھ
شگفتگی ہے شہیدِ گلِ خزانیِ شمع ۴

جلے ہے دیکھ کے بالینِ یار پر مجھ کو
نہ کیوں ہو دل پہ مرے داغِ بدگمانیِ شمع

۱ رخِ نگار کو گل سے مشابہ کیا اور چونکہ اسی کے سبب سے شمع کو سوزِ جاودانی ملا اس لیئے آتشِ گل کو شمع کے لیئے آبِ حیات قرار دیا کیونکہ شمع اسوقت تک نہیں بجھتی ہے جبتک کہ وہ زندہ ہے

۲ یہ بات یعنی یہ کہ اہلِ زبان کے محاورے میں خاموشی سے مراد ہے۔ روشن ہوئی یعنی ظاہر اور ثابت ہوئی۔ شمع کی رعایت سے البتہ "اہلِ زبان" اور "روشن ہوئی" خوب اسلئے ہیں شمع کا خاموش ہوجانا یہی اسکا فنا ہوجاتا ہے۔ اس لیئے گویا وہ بزبانِ حال کہہ رہی ہے کہ خاموشی سے مرگ مراد ہے۔۱۲

۳ شعلۂ شمع کے لرزنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ حسرتِ پروانہ کے غم سے شمع ناتوان ہوگئی ہے ۱۲

ے اہتزاز یعنی جنبش سر در رہ جلوہ ریزی د یہ پرفشانی مین بائے تشبیہی ہے یعنی جسطرح ہوا کی جلوہ ریزی سے شعلۂ شمع کو جنبش ہوتی ہے اسی طرح تیرے خیال سے روح اہتزاز کرتی ہے ۱۲

ھ شہید یعنی کشتہ خزانی خزان زدہ۔ گویا غم عشق کے پژمردہ داغ مین بھی ایسی بہار ہے کہ اُس پر شگفتگی مٹی ہوئی ہے ۱۲

ے بدگمانی یعنی یہ کہ شاید شمع بھی میری رقیب ہے اور یار پر عاشق ہے جبھی تو وہ مجھ کو دیکھکر جل رہی ہے ۱۲

ردیف "ف"

ہم رقیب سے نہین کرتے وداع ہوش جلتا ہے دل کہ کیون نہ ہم اک بار جل گئے	لہ	مجبوریان تلک ہوئے لے اختیار حیف لے ناتمامی نفس شعلہ بار حیف

لہ نہین کرتے وداع ہوش کیونکہ اس سے راز محبت فاش ہو جائے گا ۱۲

ردیف "ک"

زخم پر چھڑکین کہان طفلان بے پروا نمک		کیا مزہ ہوتا اگر پتھر مین بھی ہوتا نمک
گرد راہ یار ہے سامان ناز زخم دل	لہ	ورنہ ہوتا ہے جہان مین کسقدر پیدا نمک
مجھکو ارزانی رہے تجھکو مبارک ہوجیو	عہ	نالۂ بلبل کا درد اور خندۂ گل کا نمک
شور جولان تھا کنار بحر پر کس کا کہ آج		گرد ساحل ہے بزخم موجۂ دریا نمک
داد دیتا ہے مرے زخم جگر کی واہ واہ		یاد کرتا ہے مجھے دیکھے ہے وہ جسجا نمک
چھوڑ کر جانا تن مجروح عاشق حیف ہے		دل طلب کرتا ہے زخم اور مانگین ہین اعضا نمک
غیر کی منت نہ کھینچونگا پئے توفیر درد		زخم مثل خندۂ قاتل ہے سرتا پا نمک

یاد ہیں غالب تجھے وہ دن کہ وجد ذوق مین
زخم سے گرتا تو مین پلکون سے چنتا تھا نمک

لہ یون تو دنیا مین نمک بہت پیدا ہوتا ہی لیکن ہم کو اس سے کیا یہان تو زخم دل کا سرمایۂ نازش راہ یار کی گرد ہی ۱۲

لہ یعنی ونشتر مرتب ہی تجھ کو نالۂ بلبل کا درد اور تجھ کو خندۂ گل کا نمک مبارک ہو

لہ توسن یار کے جولان پر شور کے اثر سے گرد ساحل نمک بنکر موج دریا کے زخم رشک پر نمک افشانی کر رہی ہی ۱۲ رشک یہ کہ دریا کے جوش و خروش کی اس کے مقابلے مین کچھ ہستی نہ رہی ۱۲

آہ کو چاہیئے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہی ترے زلف کے سر ہونے تک

دام ہر موج مین ہی حلقۂ صد کام نہنگ
دیکھین کیا گذرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

عاشقی صبر طلب اور تمنا بیتاب
دل کا کیا رنگ کرون خون جگر ہونے تک

ہمنے مانا کہ تغافل نہ کروگے لیکن
خاک ہوجائینگے ہم تم کو خبر ہونے تک

پرتو خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم
مین بھی ہون ایک عنایت کی نظر ہونے تک

یک نظر بیش نہین فرصت ہستی غافل
لہ گرمی بزم ہی اک رقص شرر ہونے تک

غم ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ مین جلتی ہے سحر ہونے تک

لہ ذوق سے کیا اعتبار ہستی ناپائدار کا
جنبش ہے برق کی کہ تبسم قرار کا

ردیف گ

گر تجھ کو ہے یقین اجابت دعا نہ مانگ
لہ یعنی بغیر یک دل بے مدعا نہ مانگ

آتا ہے داغ حسرت دل کا شمار یاد
لہ مجھسے مرے گنہ کا حساب اے خدا نہ مانگ

لہ یعنی دل بے مدعا کے علاوہ اور کسی شے کے حاصل کرنے کی دعا نہ مانگ ۱۲

لہ اسی مضمون کا ایک دوسرا شعر ہے۔

ناکردہ گناہون کی بھی حسرت کی ملے داد
یارب اگر ان کردہ گناہون کی سزا ہی

ردیف "ل"

ہے کسقدر ہلاک فریب وفاے گل ۵۱ بلبل کے کاروبار پہ ہین خندہ ہاے گل

آزادیٔ نسیم مبارک کہ ہر طرف ۵۲ ٹوٹے پڑے ہین حلقۂ دام ہواے گل

جو تھا سو موج رنگ کے دھوکے مین مر گیا ۵۳ اے واے نالۂ لب خونین نواے گل

خوش حال اُس حریف سیہ مست کا کہ جو رکھتا ہو مثل سایۂ گل سر بپاے گل

ایجاد کرتی ہے اُسے تیرے لیے بہار ۵۴ میرا رقیب ہے نفس عطر ساے گل

شرمندہ رکھتے ہین مجھے باد بہار سے مینائے بے شراب و دل بے ہواے گل

سطوت سے تیرے جلوۂ حسن غیور کی ۵۵ خون ہے مری نگاہ مین رنگ اداے گل

تیرے ہی جلوے کا ہے یہ دھوکا کہ آج تک ۵۶ بے اختیار دوڑے ہے گل درقفاے گل

غالب مجھے ہے اس سے ہم آغوشی آرزو ۵۷ جسکا خیال ہے گل جیب قباے گل

۵۱ یعنی گل بلبل کی سادگی اور کشتۂ فریب وفا ہونے پر خندہ زن ہین ۱۲

۵۲ غنچۂ گل کے دام مین بوے گل گرفتار تھی۔ اب گل کے شگفتہ ہونے پر وہ حلقۂ دام شکست ہو گیا اب نسیم از بوے گل کو آزادی مبارک ہو۔۱۲

۵۳ لوگ موج رنگ کے دھوکے مین تھے حالانکہ درحقیقت وہ گل کی نواے خونین یا نالۂ خونچکان تھا ۱۲

۵۴ میرا رقیب ہے کیونکہ بہار پھولون کی اسی لیے ایجاد کرتی ہے کہ وہ تیرے گلے کا ہار ہون۔ پھر جب شاخ ہو ۱۲

۵۵ تیرے حسن غیور کے رعب سے رنگ گل کی ادا میری نگاہ مین خون نظر آتی ہے یعنی کسی طور پر پسندیدہ نہین ہے کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ تیرے حسن کی غیرت اس امر کو کبھی گوارا نہ کرے گی کہ اُسکے مقابلے مین مجھکو کسی اور کی ادا اچھی معلوم ہو ۱۲

۵۶ یعنی تیرے جلوے کا تماشا دیکھنے کے لیے ایک پھول دوسرے کے بعد دوڑتا چلا آتا ہے۔ ۱۲

۵۷ "از ہم آغوشی آرزو دارم" محاورہ فارسی ہے۔ اسی لحاظ سے "ہم آغوشی کی آرزو" نہ کہا بلکہ "از" کا ترجمہ "سے" کرکے "اس سے ہم آغوشی آرزو ہے" کہا۔ ۱۲

ردیف "م"

غم نہین ہوتا ہو آزادون کو بیش از یک نفس	سلہ	برق سے کرتے ہین روشن شمع ماتم خانہ ہم
محفلین برہم کرے ہو گنجفہ باز خیال	سلہ	ہین ورق گردانی نیرنگ یک بتخانہ ہم
باوجود یک جہان ہنگامہ پیدائی نہین	سلہ	ہین چراغان شبستان دل پروانہ ہم
ضعف سے ہے نے قناعت سے یہ ترک جستجو	سلہ	ہین وبال تکیہ گاہ ہمت مردانہ ہم

دائم الحبس اس مین ہین لاکھون تمنائین اسد
جانتے ہین سینۂ پرخون کو زندان خانہ ہم

سلہ "برق سے کرتے ہین روشن شمع ماتم خانہ ہم" اور ظاہر ہے کہ برق کی چمک ایک دم بھر سے زیادہ نہین ہوتی۔ اپنے کو آزاد قرار دیکر اس بیان سے یہ ثابت کرتا ہو کہ "غم نہین ہوتا ہو آزادون کو بیش از یک نفس"۔

سلہ ورق گردانی یعنی ورق گردانندہ۔ گنجفہ اور ورق مین رعایت لفظی ہو۔ مطلب یہ ہو کہ خیال اگلی صحبتہاے برہم کی یاد کو دلمین تازہ رکھتا ہو۔

سلہ یک جہان ہنگامہ یعنی جوش ہنگامہ۔ پیدائی یعنی ظہور۔ مصرعۂ ثانی بیان ہو مصرعۂ اول کی تشریح ہو۔ چراغان شبستان پروانہ کے اندر ہوتی ہی کا گئی باوجود اسکے شہرت اور پیدائی نہین ہو۔

سلہ یعنے جستجو چھوڑ دینی ہو تو قناعت کی بنا پر نہین بلکہ ضعف کی وجہ سے ہو اسلئے "ہین وبال الخ"۔

نالہ حاصل دلبستگی فراہم کر	سلہ	متاع خانۂ زنجیر جز صدا معلوم

سلہ دلبستگی یعنی تعلق خاطر جسکو زنجیر سے مشابہ کیا ہو اور کہتا ہو کہ جس طرح خانۂ زنجیر کی دولت اس کی صدا یا جھنکار کے سوا اور کچھ نہین ہوتی۔ اسی طرح تعلق خاطر کی متاع بھی نالے کے سوا اور کیا ہو سکتی ہو پس اسی کو فراہم کرنا چاہیے یعنی نالہ کشی اختیار کرنا چاہیے۔

مجھکو دیار غیر مین مارا وطن سے دور	سلہ	رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم
وہ حلقہ ہاے زلف کمین مین ہین اے خدا		رکھ لیجیو مرے دعوے وارستگی کی شرم

سلہ "رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم" کیونکہ دیار غیر مین میرا کوئی آشنا نہ تھا اس لیے اگر وہان بیکسی اور کس مپرسی کی حالت مین موت آئی تو کچھ زیادہ ذلت نہ ہوئی بہ نسبت اسکے کہ وطن سے دور

مارے جانے مین بیکسی کی شرم رہ گئی کیونکہ اگر وطن مین مارا جاتا تو بیکسی کی تکمیل نہوتی ۱۲

ردیف "ن"

لون وام بخت خفتہ سے یک خواب خوش ولے
غالب یہ خوف ہے کہ کہان سے ادا کرون

وہ فراق اور وہ وصال کہان
وہ شب و روز و ماہ و سال کہان

فرصت کاروبار شوق کسے
ذوق نظارۂ جمال کہان

دل تو دل وہ دماغ بھی نہ رہا
شور سوداے خط و خال کہان

تھی وہ اک شخص کے تصور سے
اب وہ رعنائی خیال کہان

ایسا آسان نہین لہو رونا
دل مین طاقت جگر مین حال کہان

ہمسے چھوٹا قمار خانۂ عشق
وان جو جاوین گرہ مین مال کہان

فکر دنیا مین سر کھپاتا ہون
مین کہان اور یہ وبال کہان

مضمحل ہوگئے قویٰ غالب
وہ عناصر مین اعتدال کہان

کی وفا ہمسے تو غیر اس کو جفا کہتے ہین
ہوتی آئی ہے کہ اچھون کو برا کہتے ہین

آج ہم اپنی پریشانی خاطر ان سے
کہنے جاتے ہین تو پر دیکھیے کیا کہتے ہین

اگلے وقتون کے ہین یہ لوگ انھین کچھ نہ کہو
جو مے و نغمہ کو اندوہ ربا کہتے ہین

دلمین آجاے ہے ہوتی ہے جو فرصت غش سے
اور پھر کون سے نالے کو رسا کہتے ہین

ہے پرے سرحد ادراک سے اپنا مسجود
قبلے کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہین

پاے افگار پہ جب سے تجھے رحم آیا ہے
خار رہ کو ترے ہم مہر گیا کہتے ہین

اک شرر دلمین ہے اس سے کوئی گھبرائیگا کیا
آگ مطلوب ہے ہم کو جو ہوا کہتے ہین

دیکھیے لاتی ہے اس شوخ کی نخوت کیا رنگ
اسکی ہر بات پہ ہم نام خدا کہتے ہین

وحشت و شیفتہ اب مرثیہ کہوین شاید
مرگیا غالب آشفتہ نوا کہتے ہین

۱ مہر گیا ایک قسم کی بوٹی ہے جسکی جڑ بشکل انسانی ہوتی ہے۔ مشہور ہے کہ جو شخص اُسے اپنے پاس رکھتا ہے اُس پر لوگ مہربان ہو جاتے ہیں۔ یہاں خار راہ کو مہر گیا اسلیے کہا کہ خار سے پیر زخمی ہوا۔ اور پاے فگار پر محبوب کو رحم آیا ۔۱۲

۲ ہم لوگ کہ ہوا سے آگ مار لیتے ہیں۔ بھلا ہم دل کے ایک شرر سے کیا گھبرائینگے ۱۲

۳ شیفتہ۔ نواب مصطفی خان شیفتہ شاگرد مومن ۔ وحشت غلام علیخان وحشت شاگرد مومن۔

آبرو کیا خاک اس گل کی کہ گلشن میں نہیں ۔ ہے گریباں ننگ پیراہن جو دامن میں نہیں [۱]

ضعف سے اے گریہ کچھ باقی مرے تن میں نہیں ۔ رنگ ہو کر اڑ گیا جو خوں کہ دامن میں نہیں

ہو گئے ہیں جمع اجزاے نگاہ آفتاب ۔ ذرے اسکے گھر کی دیواروں کے روزن میں نہیں [۲]

کیا کہوں تاریکی زندان غم اندھیر ہے ۔ پنبہ نور صبح سے کم جسکے روزن میں نہیں

رونق ہستی ہے عشق خانہ ویران ساز سے ۔ انجمن بے شمع ہے گر برق خرمن میں نہیں

زخم سلوانے سے مجھ پر چارہ جوئی کا ہے طعن ۔ غیر سمجھا ہے کہ لذت زخم سوزن میں نہیں [۳]

بسکہ ہیں ہم اک بہار ناز کے مارے ہوے ۔ جلوہ گل کے سوا گرد اپنے مدفن میں نہیں

قطرہ قطرہ اک ہیولی ہے نئے ناسور کا ۔ خون بھی ذوق درد سے فارغ مرے تن میں نہیں

لے گئی ساقی کی نخوت قلزم آشامی مری ۔ موج مے کی آج رگ مینا کی گردن میں نہیں [۴]

ہو فشار ضعف میں کیا ناتوانی کی نمود ۔ قد کے جھکنے کی بھی گنجایش مرے تن میں نہیں [۵]

تھی وطن میں شان کیا غالب کہ ہو غربت میں قدر ۔ بے تکلف ہوں وہ مشت خس کہ گلخن میں نہیں

۱ جو گریبان (بعلت چاک گریبانی الگ ہو کر) دامن میں نہ ہو وہ ننگ پیراہن ہے اسی طرح وہ گل باعث ننگ ہے جو گلشن میں نہ ہو گویا کہ عشق میں گریبان کی اصلی اور مناسب جگہ چاک ہو کر دامن ہی کے پاس قرار پائی۔

۲ روزن دیوار سے آفتاب کی جو شعاعیں مکان یار میں آتی ہیں ان کی روشنی میں جو بہت سے ذرے نظر آتے ہیں انکی نسبت کہتا ہے کہ گویا اجزاے نگاہ آفتاب جمع ہوے ہیں جو مرے یار کی زیارت کا مشتاق ہے۔

۳ یعنی ہمارا زخم کا سلوانا بغرض چارہ جوئی نہیں ہے بلکہ اس لیے ہے کہ ہمیں زخم سوزن کی لذت حاصل ہو۔ ۱۲

سکہ ساقی شراب پلانے مین بڑی فیاضی سے کام لیتا تھا اور اس پر مغرور تھا لیکن مین ایسا قلزم آشام تھا کہ میری بلانوشی نے ساقی کی نخوت مٹا دی اور شیشہ کی شراب سب ختم ہو گئی ۱۲ گردن مینا مین معوج ہے کی "رگ" نخوت کی رعایت سے لایا ہی کیونکہ رگ گردن کو غرور سے تعبیر کیا کرتے ہین ۱۲

شہ یعنی ضعف چارون طرف سے قید پر مستولی ہو کر قید کیونکر اور کدھر بھاگے۔

ضعف کے مضمون مین اکثر شعرا نے نہایت نازک اور لطیف مبالغہ آمیز مضامین سے کام لیا ہی مومن کہتا ہے ؎

اب تو مر جانا بھی مشکل ہو ترے بیمار کو		ضعف کے باعث کہاں ممکن نہ اٹھا جائے تو

ایک اور فارسی شاعر کہتا ہے ؎

زضعف تن عجب حال ست بیمار محبت را		کہ نتواند کشید از ناتوانی بار صحبت را
حیرت سے ہیچ نازکے باہر نہ آسکا	سلہ	گر اک ادا ہو تو اسے اپنی قضا کہون
حلقے ہین چشمہاے کشادہ بسوے دل	سلہ	ہر تار زلف کو نگہ سرمہ سا کہون
مین اور صد ہزار نوائے جگر خراش		تو اور ایک وہ نشنیدن کہ کیا کہون
ظالم مرے گمان سے مجھے منفعل نہ چاہ	سلہ	ہے ہے خدا نکردہ تجھے بیوفا کہون

سلہ یعنی اگر صرف ایک ادا ہو تو مین اسے اپنی قضا کہون (یعنی اسطرح پر اسکی مرح کرون) لیکن یہان تو ہزارون ادائین ہین ۱۲- ادا اور قضا مین رعایت لفظی ہی-

سلہ حلقے یعنی زلف کے حلقے جو چشمہاے کشادہ سے مشابہ ہین اور تار ہاے زلف گویا ان آنکھون کی سرمہ سا نگاہین ہین ۱۲

سلہ مجھ کو میرے گمان سے شرمندہ نہ کر بھلا مین اور تجھکو بیوفا خیال کرون ۱۲

مہربان ہو کے بلا لو مجھے چاہو جس وقت		مین گیا وقت نہین ہون کہ پھر آ بھی نہ سکون
ضعف مین طعنۂ اغیار کا شکوہ کیا ہے		بات کچھ سر تو نہین ہے کہ اٹھا بھی نہ سکون
زہر ملتا ہی نہین مجھکو ستمگر ورنہ		کیا قسم ہے ترے ملنے کی کہ کھا بھی نہ سکون
ہے کھل جاؤ بو قسمت سے پرستی ایک دن		ورنہ ہم چھیڑین گے رکھکر عذر مستی ایکدن
غرہ اوج بناے عالم امکان نہ ہو	سلہ	اس بلندی کے نصیبون مین ہے پستی ایکدن

قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں
رنگ لاوے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

نغمہ ہاے غم کو بھی اے دل غنیمت جانیے
بے صدا ہو جائیگا یہ ساز ہستی ایک دن

دھول دھپا اس سراپا ناز کا شیوہ نہیں
ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیش دستی ایک دن

١ عالم امکان یعنی دنیا یعنی "عرصۂ ادج بناے عالم امکان نہ ہو" کیونکہ ایک روز اس عالم امکان یعنی دنیا کا بھی فنا ہونا یقینی ہے۔ ۱۲

ہم پر جفا سے ترک وفا کا گمان نہیں
اک چھیڑ ہے وگرنہ مراد امتحان نہیں [١]

کس منہ سے شکر کیجیے اس لطف خاص کا [٢]
پرسش ہے اور پاے سخن درمیان نہیں

ہم کو ستم عزیز ستمگر کو ہم عزیز [٣]
نامہربان نہیں ہے اگر مہربان نہیں

بوسہ نہیں نہ دیجیے دشنام ہی سہی [٤]
آخر زبان تو رکھتے ہو تم گر دہان نہیں

ہر چند جانگدازی قہر و عتاب ہے [٥]
ہر چند پشت گرمی تاب و توان نہیں

جان مطرب ترانۂ ہل من مزید ہے
لب پردہ سنج زمزمۂ الامان نہیں

خنجر سے چیر سینہ اگر دل نہ ہو دو نیم
دل میں چھری چبھو مژہ گر خونچکان نہیں

ہے ننگ سینہ دل اگر آتشکدہ نہ ہو
ہے عار دل نفس اگر آذر فشان نہیں

نقصان نہیں جنون سے بلا سے ہو گھر خراب
سو گز زمین کے بدلے بیابان گران نہیں

کہتے ہو کیا لکھا ہے تری سرنوشت میں
گویا جبین پہ سجدۂ بت کا نشان نہیں

پاتا ہوں اس سے داد کچھ اپنے کلام کی [٦]
روح القدس اگرچہ مرا ہمزبان نہیں

جان ہے بہاے بوسہ ولے کیون کہے ابھی
غالب کو جانتا ہے کہ وہ نیم جان نہیں

١ یعنی اُن کی جفائیں صرف چھیڑنے کے لیے ہیں امتحان وفا کی غرض سے نہیں ہیں کیونکہ ہماری وفاداری پر اُن کو اسقدر اعتماد ہے کہ ہماری نسبت وہ ترک وفا کا گمان نہیں کر سکتے۔ ۱۲

٢ لطف خاص یعنی پرسش پنہان جو گفتگو سے مستغنی ہو یعنی جو انداز و اشارات سے ادا ہو۔ ۱۲

٣ ہم کو ستم عزیز ہے اور وہ ستم کرتا ہے پس ثابت ہوا کہ وہ ہم کو عزیز رکھتا ہے کیونکہ ہم کو وہی

وہی چیز دیتا ہے جسکو ہم عزیز رکھتے ہیں ۱۲-

سے ہر چند اس کا قہر جانگداز ہے۔ اور ہم میں طاقت برداشت نہیں ہے، اس پر بھی ہم اُس کے قہر سے پناہ نہیں مانگتے بلکہ عتاب مزید کے خواہاں ہیں ۱۲-

سے روح القدس یعنی حضرت جبریل - اگرچہ وہ میرے برابر فصیح نہیں ہیں (معاذ اللہ) تاہم (نا پاتا ہوں اس سے آگے)

سے "دے کیوں" ابھی یعنی ابھی سکے گا نیمجان ہونے کی حالت میں سکے تو کہے جب یہ ہوجائے ہو سکے گا کر ہاے بوسہ جان ہو نیمجان ۱۲

مانع دشت نوردی کوئی تدبیر نہیں		ایک چکر ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں
شوق اُس دشت میں دوڑائے ہے مجھ کو کہ جہاں	سلہ	جادہ غیر از نگہ دیدۂ تصویر نہیں
حسرت لذت آزار رہی جاتی ہے	سلہ	جادۂ راہ وفا جز دم شمشیر نہیں
رنج نومیدی جاوید گوارا رہیو	سلہ	خوش ہوں گر نالہ زبونی کش تاثیر نہیں
سر کھجاتا ہے جہاں زخم سر اچھا ہو جائے	سلہ	لذت سنگ باندازۂ تقریر نہیں
جب کرم رخصت بیباکی و گستاخی دے	سلہ	کوئی تقصیر بجز خجلت تقصیر نہیں

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

سلہ جادہ غیر از نگہ دیدۂ تصویر نہیں" یعنی معدوم ہے جسطرح دیدۂ تصویر کی نگاہ معدوم ہوتی ہے ۱۲-

یا یہ کہ شوق مجھکو اس دشت میں لیے جاتا ہے جہاں ہر شخص مثل تصویر محو حیرت ہو جاتا ہے ۱۲-

سلہ افسوس کرتا ہے کہ جادۂ راہ وفا جز دم شمشیر نہیں ہے ——— "کیونکہ دم شمشیر دم بھر میں خاتمہ کر دیتی ہے۔ اور لذت آزار کی حسرت رہ جاتی ہے ۱۲-

سلہ میرا نالہ تاثیر کا احسان لینے کی ذلت پسند نہیں کرتا بس یہ رنج نومیدی جاوید" ہی گوارا رہے تو خوب ہے ۱۲

۵۴ باندازۂ تقریر نہین یعنی بیان سے باہر ہے یا بیان نہین ہوسکتی۔ ۱۲

۵۵ خجلت تقصیر یعنی ارتکاب قصور سے جھجکنا۔ جب کرم یار گستاخی کی اجازت دے اسوقت جھجکنا بہت بڑا قصور ہے۔

مست مردمک دیدہ مین سمجھو یہ نگاہین	مطلع ۱	ہین جمع سویداے دل چشم مین آہین

۱ پتلی کو آنکھ کے دل کا سویدا قرار دیا۔ اور نگاہون کو اُس دل کی آہون سے مشابہ کیا۔ ۱۲

برشگال دیدۂ عاشق ہے دیکھا چاہیے		کھل گئی مانند گل سو جا سے دیوار چمن
الفت گل سے غلط ہے دعوے وارستگی		سرو ہے باوصف آزادی گرفتار چمن

عشق تاثیر سے نومید نہین	۱	جان سپاری شجر بید نہین
سلطنت دست بدست آئی ہے	۲	جام مے خاتم جمشید نہین
ہے تجلی تری سامان وجود	۳	ذرہ بے پرتو خورشید نہین
راز معشوق نہ رسوا ہو جاے		ورنہ مرجانے مین کچھ بھید نہین
گردش رنگ طرب سے ڈر ہے	۴	غم محرومی جاوید نہین

کہتے ہین جیتے ہین امید پہ لوگ
ہم کو جینے کی بھی امید نہین

۱ کہتا ہے کہ عشق تاثیر سے ناامید نہین ہے کیونکہ جانبازی و جان سپاری کچھ شجر بید نہین ہے جسکا کبھی پھل نہ لے ۱۲ مطلب یہ ہے کہ عشق مین جانبازی و جان فشانی کا اثر کبھی نہ کبھی ضرور ہوگا۔

۲ "سلطنت دست بدست آئی ہے" یعنے جام شراب کی سلطنت جمشید سے رندون کو واسطہ بواسطہ پہونچی ہے۔ "جام مے خاتم جمشید نہین" جو صرف جمشید کے پاس رہے اور اسی کے ساتھ مخصوص ہو۔

۳ جسطرح ذرے مین پرتو خورشید نظر آتا ہے اُسی طرح تمام موجودات عالم تیری ذات کے مظہر ہین۔ ۱۲

۴ ہم کو محرومی جاوید کا غم نہین ہے۔ کیونکہ یہ طرب سے بہتر ہے جسمین گردش رنگ کا خوف لگا رہتا ہے۔
یعنی چونکہ راحت کے بعد رنج نہایت جان گداز ہوتا ہے اس لحاظ سے طرب سے محرومی جاوید ہی بہتر ہے
یا یہ کہ گردش رنگ طرب سے اس لیے ڈر ہے کہ محرومی کی حالت مین طرب کی جھلک سے رنج محرومی

کا احساس اور بھی زیادہ ہو جاتا ہے ۔١٢

جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں	١	خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں
دل آشفتگاں خال کنج دہن کے		سویدا میں سیر عدم دیکھتے ہیں
ترے سرو قامت سے اک قد آدم	٢	قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں
تماشا کر اے محو آئینہ داری	٣	تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں
سراغ تف نالہ لے داغ دل سے	٤	کہ شب رو کا نقش قدم دیکھتے ہیں

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں

١ خیاباں خیاباں یعنی کثرت ۔١٢

٢ اس کے ایک معنی تو یہی ہیں کہ تیرے سرو قامت سے فتنۂ قیامت کم تر ہے۔ اور دوسرے یہ معنی بھی ہیں کہ تیرا قد اسی میں سے بنوایا گیا ہے اس لیے وہ ایک قد آدم کم ہو گیا ہے (یادگار غالب) یا یہ کہ فتنۂ قیامت و فتنۂ قامت دونوں موجود فی التصور ہیں اور اس لحاظ سے برابر ہیں لیکن باعتبار وجود ظاہری سرو قامت یار سے فتنۂ قیامت بقدر یک قد آدم کم ہے۔

٣ تماشا کر ترجمہ "تماشا کن" یعنی دیکھ۔ دیوان غالب کے قدیم نسخے میں "تماشا کر" لکھا ہے اس حالت میں بھی محاورۂ فارسی کے لحاظ سے "تماشائے" سے "تماشا کر" ہی کا مفہوم پیدا ہوگا۔

٤ نالۂ دل کو شب رو یا مسافر شب قرار دیا اور داغ دل کو اس کا نقش قدم ۔١٢

ملتی ہے خوئے یار سے نار التہاب میں	١	کافر ہوں گر نہ ملتی ہو راحت عذاب میں
کب سے ہوں کیا بتاؤں جہان خراب میں	٢	شب ہائے ہجر کو بھی رکھوں گر حساب میں
تا پھر نہ انتظار میں نیند آئے عمر بھر		آنے کا عہد کر گئے آئے جو خواب میں
قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں	٣	میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں
مجھ تک کب ان کی بزم میں آتا تھا دور جام		ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں
جو منکر وفا ہو فریب اس پہ کیا چلے	٤	کیوں بدگماں ہوں دوست سے دشمن کے باب میں
میں مضطرب ہوں وصل میں خوف رقیب سے	٥	ڈالا ہے تم کو وہم نے کس پیچ و تاب میں

۱۲؎ خدا کو دوست اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ندیم دوست قرار دیا ہے ۱۲

حیران ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں
ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں

جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار
اے کاش جانتا نہ ترے رہ گذر کو میں

ہے کیا جو کس کے باندھیے میری بلا ڈرے
کیا جانتا نہیں ہوں تمھاری کمر کو میں

لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ و نام ہے
یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

خواہش کو احمقوں نے پرستش دیا قرار
کیا پوجتا ہوں اس بت بیداد گر کو میں

پھر بے خودی میں بھول گیا راہ کوے یار
جاتا وگرنہ ایک دن اپنی خبر کو میں

اپنے پہ کر رہا ہوں قیاس اہل دہر کا ۱؎
سمجھا ہوں دل پذیر متاع ہنر کو میں

غالب خدا کرے کہ سوار سمند ناز
دیکھوں علی بہادر عالی گہر کو میں

۱؎ یعنی اہل دہر متاع ہنر کے قدردان نہیں ہیں اور میں جو اپنے اوپر قیاس کر کے اہل دنیا کو متاع ہنر کا قدردان سمجھ رہا ہوں یہ غلطی ہے

ذکر میرا بہ بدی بھی اسے منظور نہیں ۱؎
غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں

وعدۂ سیر گلستاں ہے خوشا طالع شوق
مژدۂ قتل مقدر ہے جو مذکور نہیں

شاہد ہستی مطلق کی کمر ہے عالم ۲؎
لوگ کہتے ہیں کہ ہے پر ہمیں منظور نہیں

قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن
ہم کو تقلید تنک ظرفی منصور نہیں

حسرت اے ذوق خرابی کہ وہ طاقت نہ رہی ۳؎
عشق پر عربدہ کی گوں تن رنجور نہیں

میں جو کہتا ہوں کہ ہم لیں گے قیامت میں تمھیں
کس رعونت سے وہ کہتے ہیں کہ ہم حور نہیں

ظلم کر ظلم اگر لطف دریغ آتا ہو ۴؎
تو تغافل میں کسی رنگ سے معذور نہیں

صاف دردی کش پیمانۂ جم ہیں ہم لوگ
وائے وہ بادہ کہ افشردۂ انگور نہیں

ہوں ظہوری کے مقابل میں خفائی غالب
میرے دعوے پہ یہ حجت ہے کہ مشہور نہیں

[1] غیر ذکر میرا بہ بدی کر رہا ہے حالانکہ یار کو قدردانی کے ساتھ بھی میرا ذکر سننا منظور نہیں ہے
اس لیے غیر کی بات" الخ

[2] غالب دنیا کے موہوم ہونے کو یہ غلو بیان کرتا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ عالم شاہدِ ہستیِ مطلق کی کمر ہے اور اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ جس طرح شاہدوں کی کمر نہیں ہوتی اسی طرح سے وجودِ عالم بھی موہوم ہے لیکن ہم کو یہ بھی منظور نہیں ہے کیونکہ جب کہتے ہیں کہ "عالم شاہدِ ہستیِ مطلق کی کمر ہے" تو اگرچہ اس کے معنی یہی ہوتے ہیں کہ عالم معدوم ہے لیکن "ہے" کا لفظ ہم ایک شے معدوم کے لیے کسی طرح نہیں استعمال کرنا چاہتے۔۱۲

[3] شورشِ ہنگامۂ عشق کے لیے توشہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن تن میں [illegible] ذرا بھی طاقت نہیں باقی ہے۔ اس لیے ذوقِ خرابی کو مخاطب کرکے اظہارِ حسرت کرتا ہے۔۱۲

[4] یعنی اگر تو لطف نہیں کرتا تو ظلم ہی کر بہرحال تغافل نہ کر "تو تغافل میں کسی رنگ سے معذور نہیں" کسی بات یعنی تیرا شیوہ ستم ہے تغافل بھی ہم کو پسند نہیں ہے۔۱۲

نالہ جز حسنِ طلب اے ستم ایجاد نہیں [1]
ہے تقاضائے جفا شکوۂ بیداد نہیں

عشق و مزدوریِ عشرت گہِ خسرو کیا خوب
ہم کو تسلیم نکو نامیِ فرہاد نہیں

کم نہیں وہ بھی خرابی میں پہ وسعت معلوم
دشت میں ہے مجھے وہ عیش کہ گھر یاد نہیں

اہلِ بینش کو ہے طوفانِ حوادث مکتب
لطمۂ موج کم از سیلیِ استاد نہیں

وائے محرومیِ تسلیم و بدا حالِ وفا [2]
جانتا ہے کہ ہمیں طاقتِ فریاد نہیں

رنگِ تمکینِ گل و لالہ پریشاں کیوں ہے [3]
گر چراغانِ سرِ رہگذرِ باد نہیں

سبدِ گل کے تلے بند کرے ہے گلچیں [4]
مژدہ اے مرغ کہ گلزار میں صیاد نہیں

نفی سے کرتی ہے اثبات تراوش گویا [5]
دی ہے جائے دہن اس کو دمِ ایجاد نہیں

کم نہیں جلوہ گری میں ترے کوچے سے بہشت
یہی نقشہ ہے ولے اس قدر آباد نہیں

کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالب
تم کو بے مہریِ یارانِ وطن یاد نہیں

[1] [illegible] یاد یار کی شکایت مقصود نہیں ہے بلکہ تقاضائے جفا کے لیے

حسنِ طلب ہو کہ جب وہ میری فریاد سنے تو اُسے مجھ پر ظلم کرنا کچھ یاد آجائے۔

سلہ ہم اپنی خوئے تسلیم و وفا کے سبب سے فریاد نہین کرتے لیکن وہ یہی سمجھتا ہو کہ ہماری خاموشی بیطاقتی و مجبوری کے باعث سے ہو پس ولے بر حال تسلیم و وفا جو اپنی ضبط فریاد کی داد سے بھی محروم ہین ۱۲

سلہ اگر گل و لالہ "چراغانِ سرِ رہگذرِ باد نہین" تو اُن کا رنگ کیون پریشان کیون ہو کہ دم بھر مین مٹ جاتا ہو ۱۲

سلہ "مژدہ اے مرغ کہ گلزار مین صیاد نہین" جو تجھ کو قفس مین بند کرے گا۔۱۲

سلہ وہ ہر بات پہ "نہین" کرتا ہو لیکن اِس "نہین" کے کہنے سے اُس کے وجود دہن کا ثبوت ملتا ہو۔۱۲

دونون جہان دے کے وہ سمجھے یہ خوش رہا
یان آپڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کرین

تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے
تیرا پتہ نہ پائین تو ناچار کیا کرین

کیا شمع کے نہین ہین ہوا خواہ اہلِ بزم
ہو غم ہی جان گداز تو غمخوار کیا کرین

ہو گئی ہے غیر کی شیرین بیانی کارگر
عشق کا اس کو گمان ہم بے زبانون پر نہین

قیامت ہے کہ سُن لیلیٰ کا دشتِ قیس مین آنا
تعجب سے وہ بولا یون بھی ہوتا ہے زمانے مین

دلِ نازک پہ اسکے رحم آتا ہے مجھے غالب
نہ کر سرگرم اُس کافر کو اُلفت آزمانے مین

دل لگا کر لگ گیا اُن کو بھی تنہا بیٹھنا
بارے اپنی بیکسی کی ہم نے پائی داد یان

ہین زوال آمادہ اجزا آفرینش کے تمام
سلہ
مہرِ گردون ہے چراغِ رہگذارِ باد یان

سلہ زوال آمادہ = آمادۂ زوال، مہرِ گردون مثل چراغِ رہگذار باد ہے یعنی آمادۂ زوال ہے ۱۲

یہ ہم جو ہجر مین دیوار و در کو دیکھتے ہین
کبھی صبا کو کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہین

وہ آئے گھر مین ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہین

نظر لگے نہ کہین اُسکے دست و بازو کو
یہ لوگ کیون مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہین

ترے جواہرِ طرفِ کلہ کو کیا دیکھین
سلہ
ہم اوجِ طالعِ لعل و گہر کو دیکھتے ہین

سلہ اوجِ طالعِ لعل و گہر کیونکہ تیری کلاہ مین لگے ہوے ہین۔

نہین کہ مجھکو قیامت کا اعتقاد نہین
سلہ
شبِ فراق سے روزِ جزا زیاد نہین

کوئی کہے کہ شبِ مہ مین کیا بُرائی ہے
بلا سے آج اگر دن کو ابر و باد نہین

جو آؤن سامنے اُن کے تو مرحبا نہ کہین
جو جاؤن وان سے کہین کو تو خیر باد نہین

کبھی جو یاد بھی آتا ہون مین تو کہتے ہین ۲ کہ آج بزم مین کچھ فتنہ و فساد نہین

علاوہ عید کے ملتی ہے اور دن بھی شراب — گداے کوچۂ مے خانہ نامراد نہین

جہان مین ہو غم و شادی بہم ہمین کیا کام — دیا ہے ہم کو خدا نے وہ دل کہ شاد نہین

تم ان کے وعدے کا ذکر ان سے کیون کرو غالب

یہ کیا کہ تم کہو اور وہ کہین کہ یاد نہین

۱ اس شعر کی ترکیب لفظی خوب ہے۔ کہتا ہے کہ قیامت کا مجھے اعتقاد ہے لیکن ساتھ ہی اسکے یہ بھی یقین ہے کہ وہ شب فراق سے زیادہ نہین ہے۔ ۱۲

۲ یعنی مجھ کو وہ فتنہ و فساد سے تعبیر کرتے ہین۔

ترے توسن کو صبا باندھتے ہین — ہم بھی مضمون کی ہوا باندھتے ہین

آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے ۱ ہم بھی اک اپنی ہوا باندھتے ہین

تیری فرصت کے مقابل اے عمر — برق کو پا بہ حنا باندھتے ہین

قید ہستی سے رہائی معلوم ۲ اشک کو بے سر و پا باندھتے ہین

نشۂ رنگ سے ہے واشد گل ۳ مست کب بند قبا باندھتے ہین

غلطیہاے مضامین مت پوچھ — لوگ نالے کو رسا باندھتے ہین

اہل تدبیر کی واماندگیان — آبلون پر بھی حنا باندھتے ہین

۴ سادہ پرکار ہین خوبان غالب

ہم سے پیمان وفا باندھتے ہین

۱ ہم جو آہ کرتے ہین یہ گویا اپنی ہوا باندھتے ہین ورنہ اثر آہ کی حقیقت معلوم ہے۔

۲ باندھتے ہین۔ یعنی شعر امضمون شعر مین۔ چونکہ باندھنے کے معنی قید کرنے کے بھی ہین اسلیے ایک پرلطف مضمون پیدا ہو گیا ہے۔

۳ مصرعۂ ثانی مصرعۂ اول کی توضیح کرتا ہے۔ یعنی پھول کی واشد (کھلنا) نشۂ رنگ کی مستی کی وجہ سے ہے مستی کے اثر سے اُس نے اپنے بند قبا کھول دیے ہین۔ ۱۲ ۴ یعنی ظاہر مین اظہار وفا کرتے ہین۔ مگر دل مین کچ ہے۔ ۱۲

زمانہ سخت کم آزار ہے بجان اسد
وگرنہ ہم تو توقع زیادہ رکھتے ہین

سلہ دائم پڑا ہوا ترے در پر نہین ہون مین
خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہین ہون مین

کیون گردش مدام سے گھبرا نہ جائے دل
انسان ہون پیالہ و ساغر نہین ہون مین

یارب زمانہ مجھکو مٹاتا ہے کس لیے
لوح جہان پہ حرف مکرر نہین ہون مین

حد چاہیے سزا مین عقوبت کے واسطے
آخر گناہگار ہون کافر نہین ہون مین

کس واسطے عزیز نہین جانتے مجھے
لعل و زمرد و زر و گوہر نہین ہون مین

رکھتے ہو تم قدم مری آنکھون سے کیون دریغ
رتبے مین مہر و ماہ سے کمتر نہین ہون مین

کرتے ہو مجھکو منع قدمبوس کس لیے
کیا آسمان کے بھی برابر نہین ہون مین

غالب وظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دعا
وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہین ہون مین

سلہ دائم پڑا ہوا الخ، یعنی مثل تیرے سنگ در کے ۱۲

سب کہان کچھ لالہ و گل مین نمایان ہوگئین
خاک مین کیا صورتین ہون گی کہ پنہان ہوگئین

سلہ یاد تھین ہمکو بھی رنگا رنگ بزم آرائیان
لیکن اب نقش و نگار طاق نسیان ہوگئین

تھین بنات النعش گردون دن کو پردے مین نہان
شب کو ان کے جی مین کیا آئی کہ عریان ہوگئین

قید مین یعقوب نے لی گو نہ یوسف کی خبر
لیکن آنکھین روزن دیوار زندان ہوگئین

سلہ سب رقیبون سے ہون ناخوش پر زنان مصر سے
ہے زلیخا خوش کہ محو ماہ کنعان ہوگئین

جوئے خون آنکھون سے بہنے دو کہ ہے شام فراق
مین یہ سمجھونگا کہ شمعین دو فروزان ہوگئین

ان پریزادون سے لینگے خلد مین ہم انتقام
قدرت حق سے یہی حورین اگر وان ہوگئین

نیند اسکی ہے دماغ اسکا ہے راتین اسکی ہین
تیری زلفین جسکے بازو پر پریشان ہوگئین

مین چمن مین کیا گیا گویا دبستان کھل گیا
بلبلین سنکر مرے نالے غزلخوان ہوگئین

سلہ وہ نگاہین کیون ہوئی جاتی ہین یارب دل کے پار
جو مری کوتاہی قسمت سے مژگان ہوگئین

بسکہ روکا مین نے اور سینے مین ابھرین پے بہ پے
میری آہین بخیۂ چاک گریبان ہوگئین

سلہ وان گیا بھی مین تو انکی گالیون کا کیا جواب
یاد تھین جتنی دعائین صرف دربان ہوگئین

جان فزا ہے بادہ جسکے ہاتھ مین جام آگیا
سب لکیرین ہاتھ کی گویا رگ جان ہو گئین

ہم موحد ہین ہمارا کیش ہے ترک رسوم
ملتین جب مٹ گئین اجزاے ایمان ہو گئین

سلہ

رنج سے خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلین مجھ پر پڑین اتنی کہ آسان ہو گئین

یون ہی گر روتا رہا غالب تو اے اہل جہان
دیکھنا ان بستیون کو تم کہ ویران ہو گئین

سلہ "نقش و نگار طاق نسیان ہو گئین" یعنی فراموش ہو گئین ۱۲- اس شعر کے الفاظ نہایت لطیف و رنگین ہین اور یہ پوری غزل ریختے کا اعلی درجہ کا نمونہ ہے۔

سلہ کیونکہ زنان مصر نے اس کی پسند کی مطابقت کی اور خود بھی محو حسن یوسفی ہو کر زلیخا کو عشق حضرت یوسف مین معذور رکھا ۱۲

سلہ جوہر مژگان ہو گئین یعنی کوتاہ ہو گئین اور شرم کی وجہ سے میری جانب بے محابا نہین اٹھتین۔ غالب لکھتا ہے کہ اس کوتاہی پر بھی وہ نگاہین کیون میرے دل کے پار ہوتی جاتی ہین ۱۲-

سلہ اس شعر مین جو اصل خوبی اور لطافت ہے وہ یہ ہے کہ گالیون کے جواب مین دعائین دینے کو ایک ایسی معمولی اور ضروری بات ہونا ظاہر کرتا ہے کہ گویا ہر شخص اُس کو ضروری جانتا ہے۔ کیونکہ سب سے حیران ہو کر پوچھتا ہے کہ بتاؤ اُن کی گالیون کا کیا جواب دون گا۔ جب کہ دعائین سب ختم ہو چکین (یادگار غالب)

سلہ جب ترک رسوم مذہب قرار پایا تو جتنی ملتین مٹتی جاتی ہین وہ گویا اجزاے ایمان بنتی جاتی ہین ۱۲

دیوانگی سے دوش پہ زنار بھی نہین
یعنی ہماری جیب مین اک تار بھی نہین

دل کو نیاز حسرت دیدار کر چکے
دیکھا تو ہم مین طاقت دیدار بھی نہین

سلہ

ملنا ترا اگر نہین آسان تو سہل ہے
دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہین

بے عشق عمر کٹ نہین سکتی ہے اور یہان
طاقت بقدر لذت آزار بھی نہین

شوریدگی کے ہاتھ سے سر ہے وبال دوش
صحرا مین اے خدا کوئی دیوار بھی نہین

گنجایش عداوت اغیار اک طرف
یان دل مین ضعف سے ہوس یار بھی نہین

ڈر نالہ ہاے زار سے میرے خدا کو مان
آخر نواے مرغ گرفتار بھی نہین

دل مین ہی ہو یار کی صفِ مژگان سے روکشی ؂۲ حالانکہ طاقتِ خلشِ خار بھی نہین
اس سادگی پہ کون نہ مرجاے اے خدا
لڑتے ہین اور ہاتھ مین تلوار بھی نہین

دیکھا اسد کو خلوت و جلوت مین بارہا
دیوانہ گر نہین ہے تو ہشیار بھی نہین

؂۱ تحصیل دشوار آسان نہین ہوتی مگر ممکن ہوتی ہو - اور تحصیل محال سرے سے ممکن ہی نہین ہوتی شاعر کہتا ہو کہ ملنا تیرا آسان نہو یعنی دشوار ہو تاہم سہل ہے مگر مشکل تو یہ ہو کہ دشوار بھی نہین محال ہے جس مین میر اکسی طرح قابو نہین محض مجبور ہون - ۱۲ - یا کہ تیرا ملنا - اگر سب کے لیے مشکل ہو تو مجھکو بھی صبر آجاے - مشکل یہ ہے کہ اغیار کے لیے آسان ہے میری ہی لیے دشوار ہے -
؂۲ - دکشی بمقابلہ ۱۲

نہین ہے زخم کوئی بخیہ کے درخورمرے تن مین ؂۱
ہوا ہے تارِ اشکِ یاس رشتہ چشمِ سوزن مین
ہوئی ہے مانعِ ذوقِ تماشا خانہ ویرانی
کفِ سیلاب باقی ہے برنگِ پنبہ روزن مین
ودیعت خانۂ بیداد کاوشہاے مژگان ہون ؂۲
نگینِ نامِ شاہد ہے مرے ہر قطرۂ خون تن مین
بیان کس سے ہو ظلمت گستری میرے شبستان کی
شبِ مہ ہو جو رکھ دین پنبہ دیوارون کے روزن مین
نکوہش مانعِ بے ربطی شورِ جنون آئی ؂۳
ہوا ہے خندۂ احباب بخیہ جیب و دامن مین
ہوے اُس مہروش کے جلوۂ تمثال کے آگے ؂۴
پَر افشان جوہر آئینے مین مثلِ ذرہ روزن مین
نہ جانون نیک ہون یا بد ہون پر صحبت مخالف ہے
جو گل ہون تو ہون گلخن مین جو خس ہون تو ہون گلشن مین
ہزارون دل دیے جوشِ جنونِ عشق نے مجھکو
سیہ ہوکر سویدا ہوگیا ہر قطرہ خون تن مین

؂۵
اسد زندانیِ تاثیرِ الفت ہاے خوبان ہون
خمِ دستِ نوازش ہوگیا ہے طوق گردن مین

؂۱ رشتۂ سوزن کو تارِ اشکِ یاس کہا سوزن کو یاس اس لیے ہوئی کہ کوئی زخم بخیے کے قابل نہ نظر آیا -
؂۲ ہر قطرۂ خون نگین ہے جسپر معشوق کا نام کندہ ہوا ہے اور گویا ”ودیعت خانۂ بیداد کاوشہاے مژگان ہون“
؂۳ نکوہش میرے شورِ جنون کی بے ربطی سے مانع آئی یعنی خندۂ احباب کے خیال سے مین جیب و دامن کے

چاک کرنے سے باز رہا۔ پس گویا خندۂ احباب بخیۂ جیب و دامن ٹھیرا۔

سعہ تمثال یعنی شبیہ و صورت۔ پرافشان یعنی پرزن (نثر) اس مہروش کے جلوۂ تمثال کے آگے آئینے مین جوہر (اس طرح) پرافشان ہوئے جس طرح (ذرے روزن مین)۔۱۲

سشہ یعنی محبوب کے لطف و عنایت نے مجھکو گرفتار محبت کر رکھا ہے۔۱۲

مرے جہان کے اپنی نظر مین خاک نہین
سوائے خون جگر سو جگر مین خاک نہین

مگر غبار ہوئے پر ہوا اُڑا لے جائے
وگرنہ تاب و توان بال و پر مین خاک نہین

یہ کس بہشت شمائل کی آمد آمد ہے
کہ غیر جلوۂ گل رہ گذر مین خاک نہین

بھلا اُسے نہ سہی کچھ مجھی کو رحم آتا سلہ
اثر مرے نفس بے اثر مین خاک نہین

خیال جلوۂ گل سے خراب ہین میکش
شراب خانے کے دیوار و در مین خاک نہین

ہوا ہون عشق کی غارت گری سے شرمندہ
سوائے حسرت تعمیر گھر مین خاک نہین

ہمارے شعر ہین اب صرف دل لگی کے اسد
کھلا کہ فائدہ عرض ہنر مین خاک نہین

سلہ "مجھی کو رحم آتا" یعنی اپنی حالت پر رحم آتا اور مین نالہ کشی سے باز آتا۔۱۲

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیون
روئین گے ہم ہزار بار کوئی ہمین ستائے کیون

دیر نہین حرم نہین در نہین آستان نہین
بیٹھے ہین رہگذر پہ ہم غیر ہمین اُٹھائے کیون

جب وہ جمال دلفروز صورت مہر نیمروز سلہ
آپ ہی ہو نظارہ سوز پردے مین منہ چھپائے کیون

دشنۂ غمزہ جان ستان ناوک ناز بے پناہ
تیرا ہی عکس رخ سہی سامنے تیرے آئے کیون

قید حیات و بند غم اصل مین دونون ایک ہین
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیون

حسن اور اس پہ حسن ظن رہ گئی بوالہوس کی شرم سلہ
اپنے پہ اعتماد ہے غیر کو آزمائے کیون

وان وہ غرور عز و ناز یان یہ حجاب پاس وضع
راہ مین ہم ملین کہان بزم مین وہ بلائے کیون

ہان وہ نہین خدا پرست جاؤ وہ بیوفا سہی
جسکو ہو دین و دل عزیز اسکی گلی مین جائے کیون

غالب خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہین
روئیے زار زار کیا کیجیے ہائے ہائے کیون

۱ه جمال نظارہ سوز وہ حسن جس کا نظارہ نہ ہو سکے۔۱۲

۲ه رہ گئی بوالہوس کی شرم کیونکہ اگر محبوب کو اپنی عفت پر اعتماد اور غیر کی نسبت حسن ظن نہ ہوتا اور وہ غیر کا امتحان کرتا تو ساری حقیقت کھل جاتی۔۱۲

غنچۂ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یون — بوسے کو پوچھتا ہون مین منہ سے مجھے بتا کہ یون

پرسش طرز دلبری کیجیے کیا کہ بن کہے — اُسکے ہر اک اشارے سے نکلے ہے یہ ادا کہ یون

رات کے وقت مے پیے ساتھ رقیب کو لیے — آئے وہ یان خدا کرے پر نہ کرے خدا کہ یون

غیر سے رات کیا بنی یہ جو کہا تو دیکھیے — سامنے آن بیٹھنا اور یہ دیکھنا کہ یون

بزم مین اُسکے روبرو کیون نہ خموش بیٹھیے [۱] — اس کی تو خامشی مین بھی ہے یہی مدعا کہ یون

مین نے کہا کہ بزم ناز چاہیے غیر سے تہی [۲] — سُن کے ستم ظریف نے مجھکو اُٹھا دیا کہ یون

مجھ سے کہا جو یار نے جاتے ہین ہوش کس طرح — دیکھ کے میری بیخودی چلنے لگی ہوا کہ یون

کب مجھے کوئے یار مین رہنے کی وضع یاد تھی [۳] — آئینہ دار بن گئی حیرت نقش پا کہ یون

گر ترے دل مین ہو خیال وصل مین شوق کا زوال [۴] — موج محیط آب مین مارے ہے دست و پا کہ یون

جو یہ کہے کہ ریختہ کیون کہ ہو رشک فارسی
گفتۂ غالب ایکبار پڑھ کے اُسے سنا کہ یون

۱ه اُس کی خاموشی سے یہی نکلتا ہے مطلب ہے کہ تو بھی خاموش بیٹھ۔۱۲

۲ه یہ شعر لفظ ستم ظریف کے مفہوم کی تشریح کرتا ہے۔۱۲

۳ه حیرت نقش پا نے مجھکو کوئے یار مین رہنے کی وضع بتا دی یعنی اپنی افتادگی و حیرانی کی مثال دیکر۔۱۲

۴ه وصل سے شوق کم ہو جاتا ہے تو گویا کہ موج محیط یہی بات بزبان حال کہہ رہی ہے۔ موج کی حرکت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ وصل بحر سے علیحدہ ہو کر کنارے پر پہنچنے کے لیے دست و پا مار رہی ہے۔۱۲

ردیف "و"

حسد سے دل اگر افسردہ ہے گرم تماشا ہو [۱] — کہ چشم تنگ شاید کثرت نظارہ سے وا ہو

بقدرِ حسرتِ دل چاہیے ذوقِ معاصی بھی — ۲ه — بھروں یک گوشۂ دامن گر آبِ ہفت دریا ہو
اگر وہ سرو قد گرمِ خرامِ ناز آ جاوے — کفِ ہر خاکِ گلشن شکلِ قمری نالہ فرسا ہو

۱ه انسان کے دل میں حسد کا مادہ اسی وقت تک زیادہ جوش زن رہتا ہے جب تک کہ اس کی نظر وسیع نہیں ہوتی۔ اس بنا پر حسد و افسردگی دل کا علاج یہ بتایا ہے کہ گرم تماشا ہو کر وسعت نظر حاصل کر

۲ه بھروں یعنی آلودہ کروں جب آب ہفت دریا سے دامن کا ایک گوشہ تو کامل تردامنی کے لیے کیا کچھ درکار ہوگا۔

کعبے میں جا رہا تو نہ دو طعنہ کیا کہیں — بھولا ہوں حقِ صحبتِ اہلِ کنشت کو
طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ — دوزخ میں ڈال دو کوئی لیکر بہشت کو
ہوں منحرف نہ کیوں رہ و رسمِ ثواب سے — ٹیڑھا لگا ہے قط قلمِ سرنوشت کو

غالب کچھ اپنی سعی سے لہنا نہیں مجھے
خرمن جلے اگر نہ ملخ کھائے کشت کو — یعنی گنہگاری قسمت میں لکھی ہے۔

وارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو — کیجیے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو
(بے پروا ۱۲) چھوڑا نہ مجھ میں ضعف نے رنگِ اختلاط کا — ہے دل پہ بار نقشِ محبت ہی کیوں نہ ہو
ہے مجھ کو تجھ سے تذکرۂ غیر کا گلا — ہر چند بر سبیلِ شکایت ہی کیوں نہ ہو
پیدا ہوئی ہے کہتے ہیں ہر درد کی دوا — ۱ه — یوں ہو تو چارۂ غمِ الفت ہی کیوں نہ ہو
ڈالا نہ بے کسی نے کسی سے معاملہ — اپنے سے کھینچتا ہوں خجالت ہی کیوں نہ ہو
ہے آدمی بجائے خود اک محشرِ خیال — ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو
ہنگامۂ زبونیِ ہمت ہے انفعال — ۲ه — حاصل نہ کیجے دہر سے عبرت ہی کیوں نہ ہو
وارستگی بہانۂ بیگانگی نہیں — ۳ه — اپنے سے کر نہ غیر سے وحشت ہی کیوں نہ ہو
مٹتا ہے فوتِ فرصتِ ہستی کا غم کوئی — عمرِ عزیز صرفِ عبادت ہی کیوں نہ ہو

اس فتنہ خو کے در سے اب اٹھتے نہیں اسدؔ
اس میں ہمارے سر پہ قیامت ہی کیوں نہ ہو

۱ه "ہر درد کی [illegible] موجود ہے" غالب اس مقولے کے خلاف کہتا ہے کہ اگر یہ بالکل صحیح ہوتا تو لازم

آتا ہے کہ غم الفت کا بھی علاج موجود ہو حالانکہ ایسا نہین ہے اور درد عشق لا دوا ہے۔

(۲) دوسرون کا اثر قبول کرنا اور احسان لینا زبونی ہمت کی دلیل ہے اسلیے ہر سے عبرت بھی [illegible] کرتا ہے۔

(۳) اگر تو نے ترک تعلقات کرکے آزادی حاصل کی ہے تو اسکے یہ معنی نہین ہین کہ تو وارستگی کا غرور رکھکر لوگون سے وحشت کرنے لگے اور اگر کرتا ہی ہے تو اپنے سے وحشت کر نہ کہ دوسرون سے ۔۱۲

قفس مین ہون اگر اچھا بھی جانین میرے شیون کو (۱) — مرا ہونا برا کیا ہے نواسنجان گلشن کو

نہین گر ہمدمی آسان نہو یہ رشک کیا کم ہے (۲) — نہ دی ہوتی خدایا آرزوے دوست دشمن کو

نہ نکلا آنکھ سے تیری اک آنسو اس جراحت پر — کیا سینے مین جس نے خونچکان مژگان سوزن کو

خدا شرمائے ہاتھون کو کہ رکھتے ہین کشاکش مین (۳) — کبھی میرے گریبان کو کبھی جانان کے دامن کو

ابھی ہم قتل گہ کا دیکھنا آسان سمجھتے ہین — نہین دیکھا شناور جوے خون مین تیرے توسن کو

ہوا چرچا جو میرے پانؤن کی زنجیر بننے کا — کیا بیتاب کان مین جنبش جوہر نے آہن کو

خوشی کیا کھیت پر میرے اگر سو بار ابر آوے — سمجھتا ہون کہ ڈھونڈھے ہے ابھی شوق خرمن کو

وفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہے (۴) — مرے بتخانہ مین تو کعبے مین گاڑو برہمن کو

شہادت تھی مری قسمت مین جو دی تھی یہ خو مجھکو — جہان تلوار کو دیکھا جھکا دیتا تھا گردن کو

نہ لٹتا دن کو تو کب رات کو یون بے خبر سوتا — رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہون رہزن کو

سخن کیا کہہ نہین سکتے کہ جویا ہون جواہر کے — جگر کیا ہم نہین رکھتے کہ کھودین جاکے معدن کو

مرے شاہ سلیمان جاہ سے نسبت نہین غالب
فریدون و جم و کیخسرو و داراب و بہمن کو

---

(۱) مرا ہونا برا کیا ہے الخ" کیونکہ مین قفس مین ہون اور لطف چمن مین اُن کا حصہ دار نہین بن سکتا۔۱۲

(۲) یہ مانا کہ محبوب کے ساتھ رقیب کی ہمدمی آسان نہین ہے لیکن میرے لیے یہی رشک کیا کم ہے کہ مین دوست کا آرزومند ہون اور غیر بھی ہے۔

(۳) "جانان کا دامن" اگرچہ صحیح ترجمہ ہے "دامان جانان" کا لیکن فصیح نہین ہے تعجب ہے کہ غالب نے اسکا استعمال جائز رکھا۔۱۲

(۴) بت خانے مین مرنا برہمن کی استواری عہد اور وفاداری کی دلیل ہے اور چونکہ یہی اصل

ایمان ہے اِس لیے اُسے کہیے میں دفن کرنا چاہیے۔ ۱۲

دھوتا ہوں جب میں پینے کو اُس سیم تن کے پانو
رکھتا ہے ضد سے کھینچ کے باہر لگن کے پانو

دی سادگی سے جان پڑوں کوہکن کے پانو
ہیہات کیوں نہ ٹوٹ گئے پیرزن کے پانو

بھاگے تھے ہم بہت سو اُسی کی سزا ہے یہ
ہو کر اسیر دابتے ہیں راہزن کے پانو

مرہم کی جستجو میں پھرا ہوں جو دور دور
تن سے سوا فگار ہیں اس خستہ تن کے پانو

اللہ رے ذوق دشت نوردی کہ بعد مرگ
ہلتے ہیں خود بخود مرے اندر کفن کے پانو

ہے جوش گل بہار میں یاں تک کہ ہر طرف
اُڑتے ہوئے اُلجھتے ہیں مرغ چمن کے پانو

شب کو کسی کے خواب میں آیا نہ ہو کہیں
دکھتے ہیں آج اُس بت نازک بدن کے پانو

غالب مرے کلام میں کیونکر مزا نہ ہو
پیتا ہوں دھو کے خسرو شیریں سخن کے پانو

واں اُسکو ہول دل ہے تو یاں میں ہوں شرمسار
یعنی یہ میری آہ کی تاثیر سے نہ ہو

اپنے کو دیکھتا نہیں ذوق ستم تو دیکھ
آئینہ تاکہ[ے] دیدۂ نخچیر سے نہ ہو

ے تاکہ یعنی جب تک کہ (نثر) اس کا ذوق ستم تو دیکھیے کہ جب تک دیدۂ نخچیر کا آئینہ نہ ہو وہ اپنے کو نہیں دیکھتا یعنی اپنی صورت آئینۂ دیدۂ نخچیر کے سوا اور کسی آئینے میں نہیں دکھتا۔

واں پہونچکر جو غش آتا پے ہم ہے ہم کو
صد رہ آہنگ زمیں بوس قدم ہے ہم کو[ے]

دل کو میں اور مجھے دل محو وفا رکھتا ہے
کس قدر ذوق گرفتاری ہم ہے ہم کو

ضعف سے نقش پے مور ہے طوق گردن
ترے کوچے سے کہاں طاقت رم ہے ہم کو

رشک ہم طرحی و درد اثر بانگ حزیں
نالۂ مرغ سحر تیغ دو دم ہے ہم کو

جان کر کیجیے تغافل کہ کچھ امید بھی ہو
یہ نگاہ غلط انداز تو سم ہے ہم کو[۲ے]

سر اُڑانے کے جو وعدے کو مکرر چاہا
ہنس کے بولے کہ ترے سر کی قسم ہے ہم کو[۳ے]

دل کے خوں کرنے کی کیا وجہ ولیکن ناچار
پاس بے رونقی دیدہ اہم ہے ہم کو[۴ے]

تم وہ نازک کہ خموشی کو فغاں کہتے ہو
ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے ہم کو

لکھنؤ آنے کا باعث نہیں کھلتا یعنے
ہوس سیر و تماشا سو وہ کم ہے ہم کو

مقطع سلسلۂ شوق نہیں ہے یہ شہر		عزم سیر نجف و طوف حرم ہے ہم کو

لیے جاتی ہے کہیں ایک توقع غالبؔ
جادۂ رہ کشش کاف کرم ہے ہم کو

سلہ صدرہ یعنی سو بار۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارا عشق بہانۂ زمین بوسی قدم ہو۔ اپنے قدموں کی اس طرح عزت اس لحاظ سے مناسب ہے کہ انھیں کے ذریعے کوچۂ محبوب میں آنا ہوا ۱۲۔
سلہ جان کر کیجیے تغافل کہ کچھ امید بھی ہو" کیونکہ جان کر تغافل کرنا بھی ایک قسم کا التفات پنہاں ہے
سلہ ہنس کے بولے کہ ترے سر کی قسم ہے ہم کو" کہ تیرا سر ضرور اڑا دیں گے۔ لطافت مضمون اس شعر کا قابل غور ہے ۱۲۔
سلہ دل کے خوں کرنے کی کیا وجہ" یہی کہ بغیر خونفشانی کے آنکھیں بے رونق تھیں اور ہم کو یہ گوارا نہ تھا

تم جانو تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو		مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو
بچتے نہیں مواخذۂ روز حشر سے	سلہ	قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو
کیا وہ بھی بے گنہ کش و حق ناشناس ہیں		مانا کہ تم بشر نہیں خورشید و ماہ ہو
ابھرا ہوا نقاب میں ہے ان کی ایک تار	سلہ	مرتا ہوں میں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو
جب میکدہ چھٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید		مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو
سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست		لیکن خدا کرے وہ ترا جلوہ گاہ ہو

غالب بھی گر نہ ہو تو کچھ ایسا ضرر نہیں
دنیا ہو یارب اور مرا بادشاہ ہو

سلہ مواخذہ یعنی پرسش میرے قتل کی بابت بروز حشر تم سے پرسش ضرور ہوگی یعنی اگر رقیب قاتل قرار پائے گا اس وقت بھی تم بطور گواہ اس کی پرسش ضرور ہوگی۔ پس تم کسی طرح پرسش روز حشر سے نہیں بچ سکتے۔
سلہ کسی کی یعنی کسی کی نگاہ کی مرتا ہوں یعنی رشک بدگمانی کے باعث۔

گئی وہ بات کہ ہو گفتگو تو کیونکر ہو	سلہ	کہے سے کچھ نہ ہوا پھر کہو تو کیونکر ہو
ہمارے ذہن میں اس فکر کا ہے نام وصال		کہ گر نہ ہو تو کہاں جائیں ہو تو کیونکر ہو

ادب ہے اور یہی کشمکش تو کیا کیجے
حیا ہے اور یہی گو مگو تو کیونکر ہو

تمہیں کہو کہ گذارا صنم پرستوں کا
بتوں کی ہو اگر ایسی ہی خو تو کیونکر ہو

الجھتے ہو تم اگر دیکھتے ہو آئینہ
جو تم سے شہر میں ہوں ایک دو تو کیونکر ہو

جسے نصیب ہو روز سیاہ میرا سا
وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیونکر ہو

ہمیں پھر ان سے امید اور انہیں ہماری قدر
ہماری بات ہی پوچھیں نہ وہ تو کیونکر ہو

غلط نہ تھا ہمیں خط پر گماں تسلی کا
نہ مانے دیدۂ دیدار جو تو کیونکر ہو

بتاؤ اس مژہ کو دیکھ کر کہ مجھ کو قرار
یہ نیش ہو رگ جاں میں فرو تو کیونکر ہو

مجھے جنوں نہیں غالب ولے بقول حضور
فراق یار میں تسکین ہو تو کیونکر ہو

لہ کہے سے یعنی گفتگو ہونے پر بھی کچھ نہ ہوا ۱۲

کسی کو دے کے دل کوئی نوا سنج فغاں کیوں ہو
نہ ہو جب دل ہی سینے میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں چھوڑیں
سبک سر بنکے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

کیا غمخوار نے رسوا لگے آگ اس محبت کو
نہ لاوے تاب جو غم کی وہ میرا رازداں کیوں ہو

وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگ آستاں کیوں ہو

قفس میں مجھ سے روداد چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہے جسپہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

یہ کہہ سکتے ہو ہم دل میں نہیں ہیں پر یہ بتلاؤ سلہ
کہ جب دل میں تمہیں تم ہو تو آنکھوں سے نہاں کیوں ہو

غلط ہے جذب دل کا شکوہ دیکھو جرم کس کا ہے
نہ کھینچو گر تم اپنے کو کشاکش درمیاں کیوں ہو

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے سلہ
ہوئے تم دوست جسکے دشمن اسکا آسماں کیوں ہو

یہی ہے آزمانا تو ستانا کس کو کہتے ہیں
عدو کے ہولیے جب تم تو میرا امتحاں کیوں ہو

کہا تم نے کہ کیوں ہو غیر کے ملنے میں رسوائی سلہ
بجا کہتے ہو سچ کہتے ہو پھر کہیو کہ ہاں کیوں ہو

نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تو غالب
ترے بے مہر کہنے سے وہ تجھ پر مہرباں کیوں ہو

لہ تم تصیبہ تو کر نہیں سکتے ہو کہ ہم تیرے دل میں نہیں ہیں لیکن یہ بتلاؤ کہ جب میرے دل میں تمہیں ہو

تم ہو تو پھر تم میری نظروں سے کیوں نہاں ہو۔ پہلے مصرعہ میں استفہام انکاری ہے ۔۱۲

۲ه یعنی تمھاری دوستی ہی کیا کم فتنہ ہے ۔۱۲

۳ه اس شعر کی ترکیب نہایت دل پذیر ہے۔ اور یہ پوری غزل حسن کلام اور لطافت سخن کا نمونہ ہے ۔۱۲

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو		ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو
بے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہیے		کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو
پڑیے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیماردار		اور اگر مر جائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

ردیف ہاے ہوز

از مہر تا بہ ذرہ دل و دل ہے آئینہ	۱ه	طوطی کو شش جہت سے مقابل ہے آئینہ
ہے سبزہ زار ہر در و دیوار غمکدہ	۲ه	جس کی بہار یہ ہو پھر اس کی خزاں نہ پوچھ
ناچار بیکسی کی بھی حسرت اٹھائیے	۳ه	دشواری رہ و ستم ہمرہاں نہ پوچھ

۱ه آفتاب سے لے کر ذرے تک ہر شے مانند دل ہے اور دل بصورت آئینہ ہے پس گویا طوطی کو ہر سمت سے آئینہ مقابل نظر آتا ہے یعنی آئینے خانے کی طرح ہر طرف اپنی ہی شبیہ نظر آتی ہے۔

۲ه ہے سبزہ زار الخ" یعنی بربناے گریہ و ویرانی بمصداق "اگا ہے گھر میں ہر سو سبزہ ویرانی تماشا کر"

۳ه ستم ہمرہاں اس لحاظ سے کہا کہ ان کی موجودگی کے باعث سے بیکسی کی بھی حسرت اٹھانا پڑتی ہے کیونکہ جب لوگ ہمراہ ہیں تو ہم اپنے کو بیکس بھی نہیں کہہ سکتے ۔۱۲

ردیف یاے تحتانی

صد جلوہ روبرو ہے جو مژگاں اٹھائیے	۱ه	طاقت کہاں کہ دید کا احساں اٹھائیے
ہے سنگ پر برات معاش جنون عشق	۲ه	یعنی ہنوز منت طفلاں اٹھائیے
دیوار بار منت مزدور سے ہے خم		اے خانماں خراب نہ احساں اٹھائیے

یا میرے زخمِ رشک کو رسوا نہ کیجیے | سله | یا پردۂ تبسمِ پنہان اُٹھائیے

سله طاقت کہان کہ دید کا احسان اُٹھائیے، کیونکہ آنکھ اُٹھاتے ہی سینکڑون جلوہ ہاے پیش نظر ہو جائینگے جن کے دیکھنے کی ہم مین تاب نہین ہے۔ ۱۲

سله برات بمعنی اصطلاحی "کاغذ نوشتہ کہ بموجب آن خزانہ زر بدست آید" ۱۲ یعنی چونکہ نشانۂ سنگ طفلان ہونا لوازمات دیوانگی سے ہے اِس لیے گویا جنون مین بھی منت کشی کا جھگڑا باقی رہا۔

سله اگر آپ اپنے تبسم پنہان کا پردہ نہین اُٹھاتے ہین تو میرے زخم رشک کو بھی رسوا نہ کیجیے۔ کیونکہ غیر کے ساتھ آپکے تبسم ہاے پنہان کے ہوتے ہوئے میرا رشک بجا ہے۔

مسجد کے زیر سایہ خرابات چاہیے | سله | بھون پاس آنکھ قبلۂ حاجات چاہیے
عاشق ہوئے ہین آپ بھی اک اور شخص پر | | آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہیے
سیکھے ہین مہ رخون کے لیے ہم مصوری | | تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے
مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو | | اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیے
ہے رنگ لالہ و گل و نسرین جدا جدا | | ہر رنگ مین بہار کا اثبات چاہیے
سر پاے خم پہ چاہیے ہنگام بیخودی | | رو سوے قبلہ وقت مناجات چاہیے
یعنی بحسب گردش پیمانۂ صفات | | عارف ہمیشہ مست مے ذات چاہیے

سله نشو و نما ہے اصل سے غالب فروع کو
خاموشی ہی سے نکلے ہے جو بات چاہیے

سله آنکھ کو خرابات اور ابرو کو طاق مسجد سے مشابہ کیا ہے لیکن بھون کا لفظ بہت ثقیل ہے ۱۲

سله خاموشی کو اصل اور تمام باتون کو فروع قرار دیا "نکلے ہے جو بات چاہیے" ذو معنی فقرہ ہے ایک تو یہ خاموشی سے ہر بات نکلتی ہے کیونکہ خاموشی کو فکر سے تعلق ہے اور اِس لیے وہ اصل ہے تمام باتون کی دوسرے یہ کہ جو بات چاہیے وہ خاموشی ہی سے نکلتی ہے۔ یہان "بات نکلتی ہے" بمعنی محاورہ مشہور لیا جائیگا مثلاً کہتے ہین کہ "فلان کی دیوانگی مین بھی ایک بات نکلتی ہے" ۱۲

بساطِ عجز مین تھا ایک دل یک قطرہ خون وہ بھی | | سو رہتا ہے باندازِ چکیدن سرنگون وہ بھی
رہے اس شوخ سے آزردہ ہم چندے تکلف سے | | تکلف برطرف تھا ایک اندازِ جنون وہ بھی

خیال مرگ کب تسکین دل آزردہ کو بخشے ۱؎ مرے دام تمنا مین ہے اک صید زبون وہ بھی
نہ کرتا کاش نالہ مجھکو کیا معلوم تھا ہمدم کہ ہوگا باعث افزایش درد درون وہ بھی
نہ اتنا برش تیغ جفا پر ناز فرماؤ مرے دریاے بیتابی مین ہے اک موج خون وہ بھی
مے عشرت کی خواہش ساقی گردون سے کیا کیجے لیے بیٹھا ہے اک دو چار جام واژگون وہ بھی

مرے دل مین ہے غالب شوق وصل و شکوۂ ہجران
خدا وہ دن کرے جو اُس سے مین یہ بھی کہون وہ بھی

۱؎ یعنی مجملاً اور تمناؤن کے وجود مین تمناے مرگ سے کہین بڑھکر ہین) ایک خواہش مرگ بھی ہے پس ظاہر ہے کہ خیال مرگ سے دل آزردہ کو کیا تسکین ہو سکتی ہے۔ ۱۲

ہے بزم بتان مین سخن آزردہ لبون سے ۱؎ تنگ آگئے ہین ہم ایسے خوشامد طلبون سے
ہے دور قدح وجہ پریشانی صہبا یکبار لگا دو خم مے میرے لبون سے
رندان در میکدہ گستاخ ہین زاہد ۲؎ زنہار نہ ہونا طرف ان بے ادبون سے
بیداد وفا دیکھ کہ جاتی رہی آخر ۳؎ ہر چند مری جان کو تھا ربط لبون سے

۱؎ بتان خوشامد طلب سے ہم ایسے تنگ آگئے ہین کہ سخن لبون سے آزردہ ہے یعنی بات کرنے کو بھی جی نہین چاہتا

۲؎ طرف ہونا یعنی منہ لگنا۔ یہ پرانا محاورہ ہے جواب متروک ہے۔ ۱۲

۳؎ جاتی رہی یعنی جان جاتی رہی۔ اگرچہ اس کو لبون سے بہت کچھ ربط تھا۔ ۱۲ مطلب یہ ہے کہ میری جان لبون ہی پر رہا کرتی تھی اس لیے اس کو لبون سے محبت ہو گئی تھی لیکن بیداد وفا نے آخر کار دونون کو جدا کر دیا۔

تا ہم کو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا سن لیتے ہین گو ذکر ہمارا نہین کرتے
غالب ترا احوال سنا دین گے ہم اُن کو وہ سن کے بلا لین یہ اجارا نہین کرتے

گھر مین تھا کیا کہ ترا غم اُسے غارت کرتا وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرت تعمیر سو ہے

غم دنیا سے گر پائی بھی فرصت سر اٹھانے کی ۱؎ فلک کا دیکھنا تقریب تیرے یاد آنے کی
کھلے گا کس طرح مضمون مرے مکتوب کا یا رب ۲؎ قسم کھائی ہے اُس کافر نے کاغذ کے جلانے کی
لپٹنا پرنیان مین شعلۂ آتش کا آسان ہے ولے مشکل ہے حکمت دل مین سوز غم چھپانے کی

انھیں منظور اپنے زخمیوں کا دیکھ آنا تھا / اٹھے تھے سیرِ گل کو دیکھنا شوخی بہانے کی

ہماری سادگی تھی التفاتِ ناز پر مرنا / ترا آنا نہ تھا ظالم مگر تمہید جانے کی

لکدکوبِ حوادث کا تحمل کر نہیں سکتی / مری طاقت کہ ضامن تھی بتوں کے ناز اٹھانے کی

کہوں کیا خوبیِ اوضاعِ ابنائے زماں غالب / بدی کی اس نے جس سے ہم نے کی تھی بارہا نیکی

۱ فلک ستم گر مشہور ہے اور تو بھی جفا کار ہے۔ اس لیے آسمان کو دیکھ کر تو یاد آجاتا ہے۔ ۱۲

۲ وہ میرے خط کو جلا دیا کرتا تھا اور اس طرح پر میرے سوزِ غم کا حال اس پر ظاہر ہو جاتا تھا افسوس کہ اب اس نے خط کا جلانا بھی موقوف کر دیا۔ ۱۲

حاصل سے ہاتھ دھو بیٹھ اے آرزو خرامی / دل جوشِ گریہ میں ہے ڈوبی ہوئی اسامی [1]

اُس شمع کی طرح سے جس کو کوئی بجھا دے / میں بھی جلے ہوؤں میں ہوں داغِ ناتمامی [2]

۱ "ڈوبی اسامی" وہ کاشتکار جس سے لگان وصول ہونے کی امید نہ ہو۔ دل کو ڈوبی اسامی اس لیے کہا کہ جوشِ گریہ سے کسی فائدے کی امید نہیں معلوم ہوتی۔

۲ ہوں داغِ ناتمامی۔ یعنی اپنے نقص کی بنا پر داغ بدل ہوں۔ ۱۲

کیا تنگ ہم ستم زدگاں کا جہان ہے / جس میں کہ ایک بیضۂ مور آسمان ہے

ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے / پرتو سے آفتاب کے ذرے میں جان ہے

حالانکہ ہے یہ سیلیِ خارا سے لالہ رنگ / غافل کو میرے شیشے پہ مے کا گمان ہے [1]

کی اُس نے گرم سینۂ اہلِ ہوس میں جا / آئے نہ کیوں پسند کہ ٹھنڈا مکان ہے [2]

کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا / بس چپ ہو ہمارے بھی منہ میں زبان ہے

بیٹھا ہے جو کہ سایۂ دیوارِ یار میں / فرماں روائے کشورِ ہندوستان ہے [3]

ہستی کا اعتبار بھی غم نے مٹا دیا / کس سے کہوں کہ داغ جگر کا نشان ہے [4]

ہے بارے اعتمادِ وفاداری اس قدر / غالب ہم اس میں خوش ہیں کہ نا مہرباں ہے

۱ میرا شیشہ لبریزِ شراب ہونے کے سبب سے سرخ نہیں ہے بلکہ ضربِ سنگ نے اسے زخمی کر دیا ہے۔ ۱۲

۲ـہ اہلِ ہوس کا سینہ چونکہ آتشِ شوق سے خالی ہوتا ہی اس لیے اُس کو ٹھنڈے مکان سے تعبیر کیا۔ ۱۲

۳ـہ کشورِ ہندوستان کی فارسی ترکیب مین اعلانِ نون غالب کے وقت تک جائز تھا اب ناجائز ہے۔

۴ـہ غم سے جو داغ پیدا ہوا تھا وہ جگر کو کھا گیا۔ اب کسی کو اس بات کا یقین نہین آتا ہے کہ یہ داغ اُسی جگر کی نشانی ہے۔ ۱۲

۵ـہ مضمون اس شعر کا خوب ہے لیکن مصرعۂ ثانی مین "وہ" یا اسکے کسی ہم معنی لفظ کے بغیر فصاحت نہین ہی۔ کہتا ہی کہ ہم اسکے ستم سے بھی خوش ہین اس لیے کہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہی کہ اسے ہماری وفاداری پر اعتماد ہے اور وہ جانتا ہی کہ ہم کسی حال مین ترکِ محبت نہ کرینگے۔ ۱۲

۱ـہ

درد سے میرے ہے تجھ کو بیقراری ہائے ہائے
کیا ہوئی ظالم تری غفلت شعاری ہائے ہائے

تیرے دل مین گر نہ تھا آشوبِ غم کا حوصلہ
تو نے پھر کیون کی تھی میری غمگساری ہائے ہائے

کیون مری غمخوارگی کا تجھکو آیا تھا خیال
دشمنی اپنی تھی میری دوستداری ہائے ہائے

عمر بھر کا تو نے پیمانِ وفا باندھا تو کیا
عمر کو بھی تو نہین ہے پائداری ہائے ہائے

زہر لگتی ہے مجھے آب و ہوائے زندگی
یعنی تجھ سے تھی اسے ناسازگاری ہائے ہائے

گلفشانیہائے نازِ جلوہ کو کیا ہو گیا
خاک پر ہوتی ہی تیری لالہ کاری ہائے ہائے

شرمِ رسوائی سے جا چھپنا نقابِ خاک مین
ختم ہے اُلفت کی تجھ پر پردہ داری ہائے ہائے

خاک مین ناموسِ پیمانِ محبت مل گئی
اُٹھ گئی دنیا سے راہ و رسمِ یاری ہائے ہائے

ہاتھ ہی تیغ آزما کا کام سے جاتا رہا
دل پہ اک لگنے نہ پایا زخمِ کاری ہائے ہائے

کس طرح کاٹے کوئی شبہائے تارِ برشگال
ہے نظر خوکردۂ اختر شماری ہائے ہائے

گوش مہجورِ پیام و چشم محرومِ جمال
ایک دل تس پر یہ ناامیدواری ہائے ہائے

عشق نے پکڑا نہ تھا غالب ابھی وحشت کا رنگ
رہ گیا تھا دل مین جو کچھ ذوقِ خواری ہائے ہائے

۱ـہ چونکہ زندگی نے تجھ سے وفا نہ کی اس لیے مین بھی اس سے بیزار ہون۔ اور یہ پوری غزل مرثیۂ محبوب ہے۔ ۱۲

سرگشتگی مین عالم ہستی سے یاس ہے	۱	تسکین کو دے نوید کہ مرنے کی آس ہے
لیتا نہین مرے دل آوارہ کی خبر	۲	اب تک وہ جانتا ہے کہ میرے ہی پاس ہے
کیجئے بیان سرور تب غم کہان تلک		ہر مو مرے بدن پہ زبان سپاس ہے
ہے وہ غرور حسن سے بیگانۂ وفا		ہر چند اسکے پاس دل حق شناس ہے
پی جسقدر ملے شب مہتاب مین شراب	۳	اس بلغمی مزاج کو گرمی ہی راس ہے

ہر اک مکان کو ہے مکین سے شرف اسد
مجنون جو مر گیا ہے تو جنگل اداس ہے

۱ مرنے سے چونکہ تسکین ہو جاتی ہے اس لیئے امید مرگ پر تسکین کو نوید دیتا ہے۔۱۲

۲ وہ اب تک یہ جانتا ہے کہ میرے ہی پاس ہے" حالانکہ حقیقت حال یہ ہے کہ میرا دل اسکے پاس ہے میرے پاس نہین رہا یہ کہ میرے اختیار سے باہر ہو گیا ہے۔۱۲

۳ اس شعر مین شب مہتاب کے ساتھ بلغمی مزاج اس رعایت سے آیا ہے کہ بلغمی مزاج کی طرح شب ماہ سرد ہوتی ہے۔ اس لیے اُس کا مزاج بھی مرطوب معلوم ہوتا ہے۔۱۲

گر خامشی سے فائدہ اخفائے حال ہے	۱	خوش ہون کہ میری بات سمجھنی محال ہے
کس کو سناؤن حسرت اظہار کا گلہ	۲	دل فرد جمع و خرچ زبانہائے لال ہے
کس پردے مین ہے آئینہ پرداز اے خدا	۳	رحمت کہ عذر خواہ لب بے سوال ہے
ہے ہے خدا نخواستہ وہ اور دشمنی	۴	اے شوق منفعل یہ تجھے کیا خیال ہے
مشکین لباس کعبہ علی کے قدم سے جان	۵	ناف زمین ہے نہ کہ ناف غزال ہے
وحشت پہ میری عرصۂ آفاق تنگ تھا		دریا زمین کو عرق انفعال ہے

ہستی کے مت فریب مین آجائیو اسد
عالم تمام حلقۂ دام خیال ہے

۱ اگر خاموشی سے یہی فائدہ ہے کہ اس سے اخفائے حال مین مدد ملتی ہے تو مین خوش ہون کہ مجھ کو بغیر خاموشی کے یہی بات حاصل ہے کیونکہ کوئی میری بات سمجھ نہین سکتا۔۱۲

۲ زبانہائے لال یعنی زبان گنگ [illegible] حسرتین ایسی [illegible] جنکے اظہار کی حسرت دل کی دل ہی مین

ره گئی ہین گویا دل زبان ہاے لال کی فرد جمع و خرچ ہے یعنی شکوون کا ایک دفتر ہی ۱۲

۵۳ (نثر) اے خدا۔ رحمت جو لب بے سوال کی عذر خواه ہی اُس پردے مین آئینہ پرداز ہے۔ یعنے جو لوگ راضی برضاے الٰہی ہین اُن پر رحمت کے نازل ہونے مین کیا دیر ہی ۱۲

۵۴ منفعل یعنی "شرمنده شو" شوق سے کہتا ہی کہ اپنے اس خیال پر شرمنده ہو بھلا وه اور دشمنی کریگا۔

ظالم مرے گمان سے مجھے منفعل نہ چاه
ہین اور خدا نکرده تجھے بیوفا کہون

۵۵ (نثر) لباس کعبہ کو علی کے قدم سے شکین جان (ورنہ کعبہ) ناف زمین ہی نہ کہ ناف غزال ۱۲

۵۶ خیال بمعنی وہم ۱۲

تم اپنے شکوے کی باتین نہ کھود کھود کے پوچھو
حذر کرو مرے دل سے کہ اس مین آگ دبی ہے

دلا یہ درد و الم بھی تو مغتنم ہے کہ آخر (۱)
نہ گریۂ سحری ہے نہ آه نیم شبی ہے

۱ آخر یعنی بعد چند روز کے نہ یہ گریۂ سحری رہے گا نہ آه نیم شبی ۱۲

ایک جا حرف وفا لکھا تھا سو بھی مٹ گیا (۱)
ظاہرا کاغذ ترے خط کا غلط بردار ہے

جی جلے ذوق فنا کی ناتمامی پر نہ کیون (۲)
ہم نہین جلتے نفس ہرچند آتشبار ہے

آگ سے پانی مین بجھتے وقت اُٹھتی ہی صدا
ہر کوئی درماندگی مین نالے سے ناچار ہے

ہے وہی بدمستی ہر ذره کا خود عذر خواه
جسکے جلوے سے زمین تا آسمان سرشار ہے

مجھسے مت کہہ تو ہمین کہتا تھا اپنی زندگی
زندگی سے بھی مرا جی ان دنون بیزار ہے

آنکھ کی تصویر سرنامے پہ کھینچی ہے کہ تا
تجھپہ کھل جاوے کہ اُس کو حسرت دیدار ہے

۱ گویا حرف وفا حرف غلط تھا جو تیرے خط کے کاغذ پر خود بخود مٹ گیا۔

۲ معلوم ہوتا ہی کہ ہمارا ذوق فنا ناتمام یعنی ناقص ہی کیونکہ باوجود نفس کی آتشباری کے ہم یہ ایک بار جل کر فنا کیون نہین ہو جاتے۔

پینس مین گزرتے ہین جو کوچے سے وه میرے
کندھا بھی کہارون کو بدلنے نہین دیتے

مری ہستی فضاے حسرت آباد تمنا ہے (۱)
جسے کہتے ہین نالہ وه اسی عالم کا عنقا ہے

خزان کیا فصل گل کہتے ہین کسکو کوئی موسم ہو
وہی ہم ہین قفس ہی اور ماتم بال و پر کا ہے

وفاے دلبران ہے اتفاقی ورنہ اے ہمدم
اثر فریاد دلہاے حزین کا کسنے دیکھا ہے

لائی شوخیِ اندیشہ تابِ رنجِ نومیدی ۱؎ کفِ افسوس ملنا عہدِ تجدیدِ تمنا ہے

۱؎ ظاہر ہے کہ حیرت کے عالم میں انسان آہ و نالہ بھول جاتا ہے اسی اعتبار سے اپنی ہستی کو حیرت آبادِ ہستی
اور نالے کو اس عالمِ حیرت کا عنقا قرار دیتا ہے جس سے مطلب یہ ہے کہ میری حیرت مانعِ فریاد ہے۔ ۱۲

۲؎ کفِ افسوس ملنا عہدِ تجدیدِ تمنا ہے" اس کے معنی دو صورت سے صحیح ہیں یعنی بظاہر صورت اس طور پر کہ
عہد باندھنے کے وقت بھی ہاتھ میں ہاتھ دیتے ہیں۔ اور یعنی اصطلاح پر کفِ افسوس ملنا ثبوت اس کا ہے
کہ جس شے کے لیے ہم افسوس کر رہے ہیں اسی کی تمنا ہم پھر کر رہے ہیں۔ اور اسی کا نام تجدیدِ تمنا ہے۔

رحم کر ظالم کہ کیا بودِ چراغِ کشتہ ہے ۱؎ نبضِ بیمارِ وفا دودِ چراغِ کشتہ ہے
دل لگی کی آرزو بے چین رکھتی ہے ہمیں ۲؎ ورنہ یاں بے رونقی سودِ چراغِ کشتہ ہے

۱؎ یعنی آخر وقت تو رحم کر جبکہ میری حالت چراغِ کشتہ کے مانند ہے اور میری نبض گویا اُسکے دھوئیں سے
مانا ہے۔ ۱۲ بود بمعنی ہستی۔ اصطلاحِ طب میں وقتِ آخر کی نبض کو دودی کہتے ہیں۔

۲؎ بے رونقی سودِ چراغِ کشتہ ہے" کیونکہ جس وقت تک چراغ خاموش رہتا ہے اُس وقت تک اُس کا
تیل نہیں صرف ہوتا۔ اس لیے بے رونقی ہی میں اس کا فائدہ ہے۔

چشمِ خوباں خامشی میں بھی نوا پرداز ہے ۱؎ سرمہ تو کہوے کہ دودِ شعلۂ آواز ہے
پیکرِ عشاق سازِ طالعِ ناساز ہے ۲؎ نالہ گویا گردشِ سیارہ کی آواز ہے
دستگاہِ دیدۂ خوں بارِ مجنوں دیکھنا ۳؎ یک بیاباں جلوۂ گل فرشِ پا انداز ہے

۱؎ یار کی چشمِ سخن گو کی صفت بیان کرتا ہے کہ وہ بحالتِ خاموشی بھی گویا ہوتی ہے۔ ۱۲
تو کہوے یا کہے تو پرانا محاورہ ہے یعنی گویا۔ سخن گوئی چشمِ یار کے لحاظ سے سُرمے کو شعلۂ آواز کا دھواں کہا۔

۲؎ سیارے سے یہاں ستارۂ بدقسمتی مراد ہے۔ عاشقوں کے ہمہ تن نالہ و فریاد ہونے کے اعتبار سے جسمِ عشاق
کو طالعِ ناساز کا ساز کہا۔ ۱۲

۳؎ دستگاہ بمعنی قدرت و مرتبہ۔ یک بیاباں بمعنی کثرت یعنی دیدۂ مجنوں کی خونباری سے زمین جو سُرخ
ہو گئی ہے تو گویا اس کا فرش پا انداز جلوۂ گل سے بنا ہے۔ اور یہ اُس کی بلند پائگی کا ثبوت ہے۔

عشق مجھ کو نہیں وحشت ہی سہی میری وحشت تری شہرت ہی سہی
قطع کیجے نہ تعلق ہم سے کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

میرے ہونے میں ہے کیا رسوائی ۱؎
اے وہ مجلس نہیں خلوت ہی سہی

ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے ۲؎
غیر کو تجھ سے محبت ہی سہی

اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو
آگہی گر نہیں غفلت ہی سہی

عمر ہر چند کہ ہے برق خرام
دل کے خون کرنے کی فرصت ہی سہی

ہم کوئی ترک وفا کرتے ہیں
نہ سہی عشق مصیبت ہی سہی

کچھ تو دے اے فلک نا انصاف
آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے
بے نیازی تری عادت ہی سہی

یار سے چھیڑ چلی جائے اسدؔ
گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

۱؎ کیونکہ میں پاک دامن ہوں ۱۲

۲؎ اچھا اگر غیر کو تجھ سے محبت ہے تو یہی سہی ہم کو بھی اپنے ساتھ کچھ دشمنی نہیں ہے کہ تیرے اس قول کے ہوتے ہوئے بھی بے سود محبت کیے جائیں اور تکلیف و رشک برداشت کریں

ہے آرمیدگی میں نکوہش بجا مجھے ۱؎
صبح وطن ہے خندۂ دنداں نما مجھے

ڈھونڈے ہے اس مغنیِ آتش نفس کو جی
جس کی صدا ہو جلوۂ برق فنا مجھے

مستانہ طے کروں ہوں رہِ وادیِ خیال ۲؎
تا بازگشت سے نہ رہے مدعا مجھے

کرتا ہے بسکہ باغ میں تو بے حجابیاں ۳؎
آنے لگی ہے نکہت گل سے حیا مجھے

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

۱؎ نکوہش یعنی ملامت یعنی وطن میں چونکہ مجھ کو آرام حاصل ہے اس لیے صبح وطن باعتبار اپنی سفیدی کے گویا میرے لیے خندۂ دنداں نما ہے اور میری آرام طلبی پر مجھ کو ملامت کر رہی ہے ۱۲

۲؎ یعنی میں اس درجہ محو خیال ہو جانا چاہتا ہوں کہ پھر مجھ کو ہوش میں آنے کی خواہش باقی نہ رہے

۳؎ چونکہ تو نکہت گل کی موجودگی میں باغ میں بے حجابیاں کرتا ہے اس لیے مجھ کو نکہت گل سے بھی حیا آنے لگی ہے ۱۲

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالبؔ
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

اس بزم مین مجھے نہین بنتی حیا کیے	۱	بیٹھا رہا اگرچہ اشارے ہوا کیے
دل ہی تو ہے سیاستِ دربان سے ڈر گیا		مین اور جاؤن در سے ترے بن صدا کیے
رکھتا پھرون ہون خرقہ و سجادہ رہنِ مے		مدت ہوئی ہے دعوتِ آب و ہوا کیے
بے صرفہ ہی گذرتی ہے ہو گرچہ عمرِ خضر		حضرت بھی کل کہینگے کہ ہم کیا کیا کیے
مقدور ہو تو خاک سے پوچھون کہ اے لئیم		تو نے وہ گنجہائے گران مایہ کیا کیے
کس روز تہمتین نہ تراشا کیے عدو		کس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلا کیے
صحبت مین غیر کی نہ پڑی ہو کہین یہ خو		دینے لگا ہے بوسہ بغیر التجا کیے
ضد کی ہے اور بات مگر خو بری نہین	۲	بھولے سے اُس نے سیکڑون وعدے وفا کیے

غالب تمھین کہو کہ ملیگا جواب کیا
مانا کہ تم کہا کیے اور وہ سُنا کیے

۱ بیٹھا رہا یعنی بے حمیتی سے اگرچہ اغیار میری جانب از راہ تمسخر و طعن اشارے کرتے رہے ۔۱۲

۲ خو یعنی سہو کی خو جس کی بنا پر اُس نے بھولے سے سیکڑون وعدے وفا کیے ۔۱۲
یا یہ کہ اس کی دوسری بات ہے کہ وہ ضد سے وعدہ وفا نہ کرے لیکن اُس کی عادت بری نہین ہے یعنی
یہ کہ جب وہ اپنی ضد کو بھول جاتا ہے تو سیکڑون وعدے وفا کرتا ہے ۔۱۲

رفتارِ عمر قطعِ رہِ اضطراب ہے	۱	اس سال کے حساب کو برق آفتاب ہے
مینائے مے ہے سروِ نشاطِ بہار سے		بالِ تدرو جلوۂ موجِ شراب ہے
زخمی ہوا ہے پاشنہ پائے ثبات کا		نے بھاگنے کی گون نہ اقامت کی تاب ہے
جادادِ بادہ نوشیِ رندان ہے شش جہت	۲	غافل گمان کرے ہے کہ گیتی خراب ہے
نظارہ کیا حریف ہو اس برقِ حسن کا	۳	جوشِ بہار جلوے کو جسکے نقاب ہے
مین نامراد دل کی تسلی کو کیا کرون		مانا کہ تیرے رُخ سے نگہ کامیاب ہے

گذرا اسدؔ مسرتِ پیغامِ یار سے
قاصد پہ مجھ کو رشکِ سوال و جواب ہے

۱ قاعدہ ہے کہ سال کا حساب گردشِ آفتاب سے کیا جاتا ہے لیکن غالب کہتا ہے کہ عمر گریزان کے

سال کا حساب برق سے کیا جاتا ہے گویا اس کے سال کی مقدار وقت ایک برق چمکنے [illegible]

۲ہ جاوداں یعنی جاوید گیتی خراب یعنی رسوائے زمانہ مطلب یہ ہے کہ غافل یہ خیال کرتا ہے کہ [illegible]
بادہ نوش رسوائے زمانہ ہیں حالانکہ تمام عالم ان کی بادہ نوشی کی جاوید ہے یعنی بصورت [illegible]
فارغ البالی۔

۳ہ جس برق حسن کا یہ عالم ہو کہ جوش بہار اس کے جلوے کے لیے نقاب پیدا ہوا اس سے نظارے کی کون تاب لا سکتا ہے۔۱۲

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آ جائے ہے	۱	میں اسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے
ہاتھ دھو دل سے یہی گرمی گر اندیشے میں ہے	۲	آبگینہ تندیٔ صہبا سے پگھلا جائے ہے
غیر کو یارب وہ کیونکر منع گستاخی کرے		گر حیا بھی اس کو آتی ہے تو شرما جائے ہے
شوق کو یہ لت کہ ہر دم نالہ کھینچے جائیے		دل کی وہ حالت کہ دم لینے سے گھبرا جائے ہے
دور چشم بد تری بزم طرب سے واہ واہ	۴	نغمہ ہو جاتا ہے واں گر نالہ میرا جائے ہے
گرچہ ہے طرز تغافل پردہ دار راز عشق	۵	پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے
اس کی بزم آرائیاں سن کر دل رنجور یاں	۶	مثل نقش مدعائے غیر بیٹھا جائے ہے
ہو کے عاشق وہ پری رخ اور نازک بن گیا		رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اڑتا جائے ہے
نقش کو اس کے مصور پر بھی کیا کیا ناز ہیں	۷	کھینچتا ہے جس قدر اتنا ہی کھنچتا جائے ہے

سایہ میرا مجھ سے مثل دود بھاگے ہے اسد
پاس مجھ آتش بجاں کے کس سے ٹھہرا جائے ہے

۱ہ اپنے انتہائے رشک کو بیان کرتا ہے کہ مجھے یہ بھی گوارا نہیں ہے کہ خود میں اسے دیکھوں۔۱۲

۲ہ گرمی اندیشہ کو تندی صہبا سے اور دل کو آبگینہ سے مشابہ کیا ہے۔۱۲

۳ہ "گر حیا بھی اس کو آتی ہے" یعنی غیر کی گستاخی اور خواہش بیجا سے "تو شرما جاتے ہے" یعنی غیر یا اس کے ساتھ تکرار کرنے سے۔ (یادگار غالب)

۴ہ نالہ نغمہ ہو جاتا ہے یعنی تیری بزم طرب کی تاثیر سے۔۱۲

۵ہ طرز تغافل یعنی طرز تغافل عاشق جو اخفائے عشق کی غرض سے برتا جاتا ہے۔ شاعر کہتا ہے اگرچہ

ہم محبوب کے سامنے اِس طور سے رہتے ہیں کہ اس سے بالکل بے تعلق معلوم ہوں لیکن ہماری از خود رفتگی سے اس پر سارا حال دل ظاہر ہو جاتا ہی ۱۲

ستہ بیٹھنا کا تعلق دو لفظوں سے ہو یعنی ایک تو بیٹھنا نقش مدعاے عجز کا یعنی بر آنا مدعاے رقیب کا دوسرے بیٹھنا دل عاشق کا بے طاقتی و مایوسی کے سبب سے۔

سے اس کی تصویر مصور سے بھی ناز کرتی ہو کہ جس قدر مصور اُسے کھینچتا ہو اُسی قدر وہ اُس سے اکڑ جاتی ہے ۱۲ نقش کے ساتھ کھینچا جانے ہو خاص لطف رکھتا ہو ۱۲

گرمِ فریاد رکھا شکلِ نہالی نے مجھے	له	تب اماں ہجر میں دی بردِ لیالی نے مجھے
نسیہ و نقدِ دو عالم کی حقیقت معلوم	٢ه	لے لیا مجھ سے مری ہمتِ عالی نے مجھے
کثرت آرائی وحدت ہے پرستاری وہم		کر دیا کافر ان اصنامِ خیالی نے مجھے
ہوسِ گل کا تصور میں بھی کھٹکا نہ رہا		عجب آرام دیا بے پر و بالی نے مجھے

له گرمی فریاد کے باعث سے شبہائے ہجر کی سردی سے مجھکو امان ملی ۱۲

٢ه میری ہمت عالی نے مجھ کو مجھ سے لے لیا یعنی میری ہمت عالی نے یہ گوارا نہ کیا کہ میں نقد دنیا یا نسیہ عقبیٰ کے عوض میں بک جاؤں جن کی مقدار بے حقیقت اور میری خریداری کے لیئے کافی نہیں ۱۲

کارگاہ ہستی میں لالہ داغ ساماں ہے	له	برقِ خرمنِ راحت خونِ گرمِ دہقاں ہے
غنچہ تا شگفتن ہا برگِ عافیت معلوم	٢ه	باوجودِ دلجمعی خوابِ گل پریشاں ہے
ہم سے رنجِ بیتابی کس طرح اٹھایا جائے	٣ه	داغِ پشتِ دستِ عجز شعلہ خس بدنداں ہے

له دہقان کی سعی گل کے حق میں اُسکے یعنی گل کے خرمن راحت کے لیئے برق کا کام دیتی ہے۔ دیکھو وہ لالے کے درخت پر اس قدر کوشش کرتا ہو لیکن اُس کا نتیجہ صرف یہ ہوتا ہو کہ گل لالہ داغ بدل ہو جاتا ہی ۱۲

٢ه تا شگفتنہا یعنی کھلنے کے وقت تک برگ معنی ساز و سامان معلوم معنی معدوم۔ خواب گل پریشان ہے اشارہ اس امر کی جانب ہو کہ اُس کی پنکھڑیوں میں بکھر جانے کا مادہ پنہان ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ کھلنے کے وقت تک غنچے کے لیئے آرام و عافیت کا باقی رہنا ناممکن ہو۔ کیونکہ ظاہر میں اگرچہ اس کی صنوبری صورت سے اُس کی دلجمعی کا خیال ہوتا ہے لیکن حقیقت میں اسکی پنکھڑیوں میں

پریشانی کا مادہ پنہان ہوتا ہے

۵ جب داغ اور شعلہ بزبان حال اظہار عجز کر رہے ہیں اور بے تابی کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتے تو بھلا ہم سے رنج بیتابی کیونکر اُٹھے گا ۔۱۲ شعلہ کا خس بدندان ہونا اور داغ کی مشابہت پشت دست عجز سے ظاہر ہے ۔۱۲

اُگ رہا ہے در و دیوار سے سبزہ غالب		ہم بیابان میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے
سادگی پر اُسکے مرجانے کی حسرت دل میں ہے	۱	بس نہیں چلتا کہ پھر خنجر کفِ قاتل میں ہے
دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا	۲	میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے
گرچہ ہے کس کس بُرائی سے ولے با این ہمہ		ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے
بس ہجوم نا امیدی خاک میں مل جائیگی	۳	یہ جو اک لذت ہماری سعیِ بے حاصل میں ہے
رنج رہ کیوں کھینچیے واماندگی کو عشق ہے	۴	اُٹھ نہیں سکتا ہمارا جو قدم منزل میں ہے
جلوہ زار آتش دوزخ ہمارا دل سہی		فتنۂ شورِ قیامت کس کی آب و گل میں ہے
ہے دلِ شوریدۂ غالب طلسم پیچ و تاب	۵	رحم کر اپنی تمنا پر کہ کس مشکل میں ہے

۱ ہمارے دل میں اسکی سادگی پر مرجانے کی حسرت ہے لیکن پھر بس نہیں چلتا کیونکہ اس کے ہاتھ میں خنجر ہے اس لئے پوری کشتہ خنجر ہونا پڑے گا ۔۱۲ یا یہ کہ اس کی سادہ لوحی پر مرجانے کی حسرت ہے جو ہم کو خنجر سے مارنا چاہتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ ہمیں بے خنجر ہی شہید کر سکتا ہے ۔

۲ کسی حسن بیان کی اس سے بہتر تعریف نہیں ہو سکتی کہ جو بات قائل کے منھ سے نکلے وہ سامع کے دل میں اسطرح اتر جائے کہ اس کو یہ شبہ ہو کہ یہ بات پہلے ہی سے میرے دل میں تھی ۔ (یادگار غالب)

۳ ہم جانتے ہیں کہ ہماری سعی بیکار ہے لیکن پھر بھی اس میں ایک قسم کی لذت ملتی ہے بس اے ہجوم نا امیدی بس کر کہیں تیری وجہ سے یہ لذت بھی خاک میں نہ مل جائے ۔۱۲

۴ ہم کو چونکہ واماندگی سے ایک قسم کا عاشقانہ تعلق ہے اس لئے ہمارا جو قدم اُٹھ نہیں سکتا (یعنی جو واماندہ ہے) وہ گویا منزل میں ہے (یعنی اپنے مقصد کو پہنچ گیا ہے) بس ہم رنج راہ کیوں کھینچیں ۔۱۲

ہ غالب کا شوریدہ دل ایک پیچ و تاب کا طلسم ہے پس تو اپنی تمنا پر رحم کر اور اُس کو غالب کے دل سے نکلنے دے تاکہ وہ (تمنا) اِس طلسمِ پیچ و تاب کی کشمکش سے رہائی پاسکے ۱۲- اِس شعر میں مرزا نے تمنا کے بر آنے کے مضمون کو نئی طرح سے ادا کیا ہے- امیر مینائی مرحوم کا یہ شعر بھی سنیئے ہ

دل آپ کا کہ دل میں جو کچھ ہے سب آپ کا
دل لیجیئے مگر مرے ارمان نکال کے

دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی
دونوں کو اک ادا میں رضامند کر گئی

شق ہو گیا ہے سینہ خوشا لذتِ فراغ
تکلیفِ پردہ داریِ زخمِ جگر گئی

وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں
اُٹھیے بس اب کہ لذتِ خوابِ سحر گئی

اڑتی پھرے ہے خاک مری کوئے یار میں
بارے اب اے ہوا ہوسِ بال و پر گئی

دیکھو تو دلفریبیِ اندازِ نقشِ پا
موجِ خرامِ یار بھی کیا گل کتر گئی

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہلِ نظر گئی

نظارے نے بھی کام کیا واں نقاب کا
مستی سے ہر نگہ ترے رخ پر بکھر گئی

فردا و دی کا تفرقہ یک بار مٹ گیا
لہ کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گذر گئی

مارا زمانے نے اسد اللہ خان تمھین
وہ ولولے کہان وہ جوانی کدھر گئی

لہ کہتا ہے کہ تمھارے جاتے ہی خود رفتگی و خود فراموشی کے یہ حالت ہوگئی کہ آج اور کل کی مطلق تمیز نہ رہی، اور ایسا ہی قیامت کی نسبت بھی کہا جاتا ہے کہ وہاں ماضی و مستقبل دونوں مبدل بزمانۂ حال ہو جائینگے- پس تم کیا گئے گویا قیامت گذر گئی- قیامت گذرنے کے دونوں معنی مین نہایت سختی کا زمانہ گذرنا اور خود قیامت کا آجانا-۱۲ (یادگارِ غالب)

تسکین کو ہم نہ روئین جو ذوقِ نظر ملے — سلہ
حورانِ خلد مین تری صورت مگر ملے

اپنی گلی مین مجھ کو نہ کر دفن بعدِ قتل — سلہ۲
میرے پتے سے خلق کو کیون تیرا گھر ملے

ساقی گری کی شرم کرو ورنہ آج ہم — سلہ
ہر شب پیا ہی کرتے ہین مے جس قدر ملے

تجھ سے تو کچھ کلام نہین لیکن اے ندیم — سلہ
میرا سلام کہیو اگر نامہ بر ملے

تم کو بھی ہم دکھائین کہ مجنون نے کیا کیا
فرصت کشاکشِ غمِ پنہان سے گر ملے

لازم نہین کہ خضر کی ہم پیروی کرین — جانا کہ اک بزرگ ہمین ہم سفر ملے

اے ساکنان کوچۂ دلدار دیکھنا
تم کو کہین جو غالب آشفتہ سر ملے

سـ۱ـه اگر ہم کو یہ امید ہو کہ حوران بہشت مین کوئی صورت تیری ہی سی ملے گی تو ہم تسکین دل کا تشنم نہ کرین کہ خیر ذوق نظر تو حاصل ہو۔ رہی تسکین دل وہ بغیر تیرے ممکن نہین ہے۔

سـ۲ـه میرے تپے سے یعنی میرے مدفن کے تپے سے۔ ۱۲

سـ۳ـه ساقی گری کی شرم کر یعنی بے اندازہ حوصلہ دو۔ ۱۲

سـ۴ـه نامہ بر سے میرا سلام کہیو یعنی بطور طعن کہے کہ واہ کیا خوب ہمارا کام کیا۔ ۱۲

کوئی دن گر زندگانی اور ہے — سـ۱ـه اپنے جی مین ہم نے ٹھانی اور ہے
آتش دوزخ مین یہ گرمی کہان — سوز غمہاے نہانی اور ہے
بارہا دیکھی ہین ان کی رنجشین — پر کچھ اب کے سرگرانی اور ہے
دیکے خط منہ دیکھتا ہے نامہ بر — کچھ تو پیغام زبانی اور ہے
قاطع اعمار ہین اکثر نجوم — سـ۲ـه وہ بلاے آسمانی اور ہے

ہو چکین غالب بلائین سب تمام
ایک مرگ ناگہانی اور ہے

سـ۱ـه یعنی اگر کچھ اور زندگی ہوئی تو ہم ترک محبت کی کوشش کرین گے۔

سـ۲ـه قاطع اعمار یعنی عمرون کے کاٹنے والے۔ وہ بلاے آسمانی اور ہے یعنی وہ ستمگر نجوم قاطع اعمار سے بھی بڑھکر ہے۔ ۱۲

کوئی امید بر نہین آتی — کوئی صورت نظر نہین آتی
موت کا ایک دن معین ہے — سـ۱ـه نیند کیون رات بھر نہین آتی
آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی — اب کسی بات پر نہین آتی
جانتا ہون ثواب طاعت و زہد — پر طبیعت ادھر نہین آتی
ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہون — ورنہ کیا بات کر نہین آتی

کیون نہ چیخون کہ یاد کرتے ہین — میری آواز گر نہین آتی

داغ دل گر نظر نہین آتا — ۵۲ — بو بھی اے چارہ گر نہین آتی

ہم وہان ہین جہان سے ہم کو بھی — کچھ ہماری خبر نہین آتی

مرتے ہین آرزو مین مرنے کی — ۵۳ — موت آتی ہے پر نہین آتی

کعبے کس منہ سے جاؤگے غالب
شرم تم کو مگر نہین آتی

۵۱ نیند کے لفظ پر زور دیکر پڑھنے سے مطلب صاف ہو جاتا ہے یعنی موت کا البتہ ایک دن معین ہے اور اسی روز آئے گی آخر نیند کیون نہین آتی ہے کیا یہ بھی موت ہو گئی کہ وقت معین ہی لے گی ۱۲

۵۲ چارہ گر داغ دل کے وجود کو مشتبہ سمجھتا ہے شاعر اس سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ اگر تجھکو داغ دل نظر نہین آتا تو کیا اس کی بوے سوختہ بھی نہین آتی پھر اشتباہ کا سبب کیا ہے

۵۳ موت آتی ہے یعنی آرزوے مرگ مین ۱۲

دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے — آخر اس درد کی دوا کیا ہے

ہم ہین مشتاق اور وہ بیزار — ۵۱ — یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے

مین بھی منھ مین زبان رکھتا ہون — کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے

جب کہ تجھ بن نہین کوئی موجود — پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے

یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہین — غمزہ و عشوہ و ادا کیا ہے

شکن زلف عنبرین کیون ہے — نگہ چشم سرمہ سا کیا ہے

سبزہ و گل کہان سے آئے ہین — ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے

ہم کو ان سے وفا کی ہے امید — جو نہین جانتے وفا کیا ہے

ہان بھلا کر ترا بھلا ہوگا — اور درویش کی صدا کیا ہے

جان تم پر نثار کرتا ہون — مین نہین جانتا دعا کیا ہے

مین نے مانا کہ کچھ نہین غالب
مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے

له گویا ابھی عشق کے کوچے میں قدم رکھا ہے اور معشوق و عاشق میں جو راز و نیاز کی باتیں ہوتی ہیں اُن سے ناواقف ہے اسی لیے باوجود اپنے مشتاق ہونے کے معشوق کے بیزار ہونے پر تعجب کرتا ہے (یادگار غالب)

کہتے تو ہو تم سب کہ بت غالیہ مو آئے
له یک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ وہ آئے

ہوں کشمکش نزع میں ہاں جذب محبت
کچھ کہہ نہ سکوں پر وہ مرے پوچھنے کو آئے

ہے صاعقہ و شعلہ و سیماب کا عالم
آنا ہی سمجھ میں مری آتا نہیں گو آئے

ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھاگیں گے نکیرین
سه ہاں منہ سے مگر بادۂ دوشینہ کی بو آئے

جلاد سے ڈرتے ہیں نہ واعظ سے جھگڑتے
ہم سمجھے ہوئے ہیں اُسے جس بھیس میں جو آئے

ہاں اہل طلب کون سنے طعنۂ نایافت
دیکھا کہ وہ ملتا نہیں اپنے ہی کو کھو آئے

اپنا نہیں وہ شیوہ کہ آرام سے بیٹھیں
اس در پہ نہیں بار تو کعبے ہی کو ہو آئے

کی ہم نفسوں نے اثر گریہ میں تقریر
سه اچھے رہے آپ اس سے مگر مجھ کو ڈبو آئے

اس انجمن ناز کی کیا بات ہے غالب
ہم بھی گئے واں اور تری تقدیر کو رو آئے

له یہ تو تم سب دعا کرتے ہو کہ خدا کرے وہ بت غالیہ مو آئے لیکن میری یہ تمنا چاہتی ہو کہ ایک بار تم سب گھبرا کے کہو کہ وہ آگئے ۔۱۲

سه بادہ نوشی کی علت بیان کرتا ہے نہ اسکی بو سے البتہ نکیرین بھاگ جائیں گے ورنہ اور کوئی دوسری صورت ان کے ٹلنے کی نہیں ہے ۔۱۲

سه اثر گریہ میں یعنی اثر گریہ کے باب میں مگر مجھ کو ڈبو آئے کیونکہ اس پر میرے رونے کی بے اثری ثابت ہو گئی ۔۱۲

پھر کچھ اک دل کو بیقراری ہے
سینہ جویائے زخم کاری ہے

پھر جگر کھودنے لگا ناخن
آمد فصل لالہ کاری ہے

له قبلۂ مقصد نگاہ نیاز
پھر وہی پردۂ عماری ہے

چشم دلال جنس رسوائی
دل خریدار ذوق خواری ہے

وہی صد رنگ نالہ فرسائی — وہی صد گونہ اشک باری ہے

دل ہوائے خرام ناز سے پھر — محشرستان بے قراری ہے

جلوہ پھر عرض ناز کرتا ہے [۱] — روز بازار جان سپاری ہے

پھر اُسی بے وفا پہ مرتے ہیں — پھر وہی زندگی ہماری ہے

پھر کھلا ہے در عدالت ناز (ق) — گرم بازار فوجداری ہے

ہو رہا ہے جہان میں اندھیر — زلف کی پھر سررشتہ داری ہے

پھر دیا پارۂ جگر نے سوال — ایک فریاد و آہ و زاری ہے

پھر ہوئے ہیں گواہ عشق طلب — اشک باری کا حکم جاری ہے

دل و مژگاں کا جو مقدمہ تھا — آج پھر اُس کی روبکاری ہے

بیخودی بے سبب نہیں غالب — کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

[۱] وہی پردۂ عماری جس میں محبوب جلوہ گر ہے ۔ ۱۲

[۲] یعنی جلوۂ یار پھر برسر ناز ہے اور جان سپاری عشق کا بازار گرم ہے ۔ ۱۲

جنوں تہمت کش تسکیں نہ ہو گر شادمانی کی [۱] — نمک پاش خراش دل ہے لذت زندگانی کی

کشاکش ہائے ہستی سے کرے کیا سعی آزادی [۲] — ہوئی زنجیر موج آب کو فرصت روانی کی

پس از مردن بھی دیوانہ زیارت گاہ طفلاں ہے — شرار سنگ نے تربت پہ میری گلفشانی کی

[۱] قاعدہ ہے کہ تکلیف کی حالت میں اگر تھوڑی دیر کو راحت مل جائے تو تکلیف راحت کے مقابلے کی وجہ سے تکلیف کا احساس اور بھی بڑھ جاتا ہے ۔ اسی بنا پر کہتا ہے کہ ہم نے شادمانی کی (ترجمہ شادمانی کردم یعنی کسی قدر لذت زندگانی حاصل کی) تو اُس سے ہمارے جنون پر خواہش تسکین کا الزام عائد نہیں ہو سکتا کیونکہ اُس سے تو زخم دل پر اور بھی نمک پاشی ہو جاتی ہے ۔ ۱۲

[۲] کشاکش ہائے ہستی سے کوئی آزاد نہیں ہو سکتا ۔ مثلاً موج آب ہی کو لیجیے کہ اسکی روانی سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ آزاد ہے لیکن غور سے دیکھیے تو روانی ہی کی وجہ سے وہ پابند نظر آئیگی کیونکہ روانی موج سے زنجیر کی صورت نمودار ہو جاتی ہے ۔ ۱۲

نکوہش ہے سزا فریادی بیداد دلبر کی — ف ۱ — مبادا خندۂ دندان نما ہو صبح محشر کی

رگ لیلیٰ کو خاک دشت مجنون ریشگی بخشے — ف ۲ — اگر بووے بجاے دانہ دہقان نوک نشتر کی

پر پروانہ شاید بادبان کشتی مے تھا — ف ۳ — ہوئی مجلس کی گرمی سے روانی دور ساغر کی

کرون بیداد ذوق پرفشانی عرض کیا قدرت — ف ۴ — کہ طاقت اڑ گئی اڑنے سے پہلے میرے شہپر کی

کہانتک روؤن اسکے خیمے کے پیچھے قیامت ہے — مری قسمت مین یارب کیا نہ تھی دیوار پتھر کی

ف ۱ چونکہ ستم یار کے فریادی کی سزا ملامت ہو اس لیے کیا عجب کہ صبح محشر بھی خندۂ دندان نما ہو (یعنی آمادۂ ملامت ہو) اس واسطے کہ اس دن بیداد یار کی فریاد کی جاے گی۔ اور آئین عشق مین یہ امر قابل ملامت ہے۔

ف ۲ اگر دشت مجنون مین دہقان دانے کے بجاے نشتر کی نوک بوے تو اتحاد حسن و عشق کے اثر سے نوک نشتر کی خلش رگہاے لیلیٰ کو بھی محسوس ہو ۱۲ جس طرح لیلےٰ کی فصد کے ساتھ مجنون کی فصد خود بخود کھل گئی تھی۔

ف ۳ چونکہ دور ساغر کی روانی گرمی مجلس پر منحصر تھی اور گرمی محفل سوز پر پروانہ پر اس لیے پر پروانہ گویا کشتی مے کا بادبان ٹھیرا کہ اسی کی وجہ سے دور ساغر کشتی مے ظہور مین آیا ۱۲۰

ف ۴ پرفشانی بمعنی اڑنا۔ اڑنے سے پہلے ہی میرے شہپر سے طاقت پرواز جاتی رہی اب ذوق پرفشانی کی بیداد بیان سے باہر ہے کہ اڑنا چاہتا ہون لیکن اڑ نہین سکتا۔ ۱۲

بے اعتدالیون سے سبک سب مین ہم ہوئے — جتنے زیادہ ہو گئے اتنے ہی کم ہوئے

پنہان تھا دام سخت قریب آشیان کے — اڑنے نہ پاے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے — ف ۱ — یان تک مٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے

سختی کشان عشق کی پوچھے ہے کیا خبر — وہ لوگ رفتہ رفتہ سراپا الم ہوئے

تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہر مین — تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے ستم ہوئے

لکھتے رہے جنون کی حکایات خونچکان — ہر چند اسمین ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

اللہ ری تیری تندیٔ خو جسکے بیم سے — ف ۲ — اجزاے نالہ دل مین مرے رزق ہم ہوئے

اہل ہوس کی فتح ہے ترک نبرد عشق — ف ۳ — جو پانون اٹھ گئے وہی انکے علم ہوئے

ہو وہ گھر کتنا تاریک ہوگا ۱۲۔ (از عود ہندی بہ تبدیلی عبارت از راقم)

ــه "آشتی چشم و گوش ہے" کیونکہ دونوں محرم ہیں کان کو مژدۂ وصال نصیب ہے تو آنکھ کو نظارۂ جمال ۱۲۔

ــه ایسی حالت مین کہ شراب نے حسن خود آرا کو بے حجاب کر دیا ہو اے شوق تجھکو بھی اجازت ہو کہ ہوش حواس یا صبر و ضبط کو کچھ دیر کے لیے چھوڑ دے ۱۲۔

ــه محفل خیال کو مے کدۂ بے خروش قرار دیا ہے جہاں دیدار بادہ ہے اور حوصلہ بمنزلۂ ساقی اور نگاہ بمنزلۂ مست ہے ۱۲ حوصلہ کو ساقی اس لیے کہا کہ تصور یار کی حالت مین عاشق کو اختیار ہے کہ بقدر حوصلہ اپنی نگاہ شوق کو شراب دیدار سے مستی اندوز کرے ۱۲۔

قطعہ

اے تازہ واردان بساط ہواے دل
زنہار اگر تمھین ہوس نائے و نوش ہے

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو
میری سنو جو گوش نصیحت نیوش ہے

ساقی بہ جلوہ دشمن ایمان و آگہی
مطرب بہ نغمہ رہزن تمکین و ہوش ہے

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط
دامان باغبان و کف گل فروش ہے

لطف خرام ساقی و ذوق صداے چنگ
یہ جنت نگاہ وہ فردوس گوش ہے

یا صبح دم جو دیکھیے آکر تو بزم مین
نے وہ سرور و سوز نہ جوش و خروش ہے

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

آتے ہین غیب سے یہ مضامین خیال مین
غالب صریر خامہ نواے سروش ہے

آ کہ مری جان کو قرار نہین ہے
طاقت بیداد انتظار نہین ہے

دیتے ہین جنت حیات دہر کے بدلے
نشہ باندازۂ خمار نہین ہے

گریہ نکالے ہے تیری بزم سے مجھکو
ہاے کہ رونے پہ اختیار نہین ہے

ہم سے عبث ہے گمان رنجش خاطر
خاک مین عشاق کی غبار نہین ہے

دل سے اٹھا لطف جلوہ ہاے معانی ــه
غیر گل آئینۂ بہار نہین ہے

قتل کا میرے کیا ہے عہد تو بارے
واے اگر عہد استوار نہین ہے

تو نے قسم میکشی کی کھائی ہے غالب
تیری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہے

سلہ بہار کی نمو اسی وقت تک ہے جب تک کہ گل قائم ہے۔ لیکن چونکہ قیام شگفتگی گل ناپائدار ہے اس لیے بہار بھی ناپائدار ہے۔ بس اس سے بہتر ہے کہ دل سے جلوہ ہائے معانی کا لطف اٹھایا جائے کیونکہ لطف سخن کی بہار بے خزاں ہے۔ ۱۲۔ یا یہ کہ جسطرح گل حسن بہار کا آئینہ ہوتا ہے اسی طرح دل میں حسن معانی کا جلوہ نظر آتا ہے۔ ۱۲

بجز ہم غم سے یاں تک سرنگونی مجھکو حاصل ہے — کہ تار دامن و تار نظر میں فرق مشکل ہے
رفوئے زخم سے مطلب ہے لذت زخم سوزن کی — سلہ — سمجھیو مت کہ پاس درد سے دیوانہ غافل ہے

وہ گل جس گلستاں میں جلوہ فرمائی کرے غالب
چٹکنا غنچۂ گل کا صدائے خندۂ دل ہے

سلہ اس مضمون کا ایک شعر اور بھی مرزا نے لکھا ہے ۔

زخم سلوانے سے مجھ پر چارہ جوئی کا ہے طعن — غیر سمجھا ہے کہ لذت زخم سوزن میں نہیں

پا بدامن ہو رہا ہوں بسکہ میں صحرا نورد — سلہ — خار پا ہیں جوہر آئینۂ زانو مجھے
دیکھنا حالت مرے دل کی ہم آغوشی کے وقت — ہے نگاہ آشنا تیرا سر ہر مو مجھے
ہوں سراپا ساز آہنگ شکایت کچھ نہ پوچھ — ہے یہی بہتر کہ لوگوں میں نہ چھیڑے تو مجھے

سلہ میں کہ صحرا نوردی کا عادی تھا اس لیے مجھ کو (بر بنائے مایوسی و مجبوری) اس طرح پر پابدامن بیٹھنا سخت تکلیف دہ ہے پابدامن ہونے کی حالت میں چونکہ سرنگوں بیٹھتے ہیں اور نگاہ زانو کی جانب ہوتی ہے۔ اس لیے آئینہ زانو کا استعارہ استعمال کیا۔ اس آئینے کا جوہر وہ کانٹے ہیں جو پاؤں میں چبھے تھے۔ ۱۲

جس بزم میں تو ناز سے گفتار میں آوے — جاں کالبد صورت دیوار میں آوے
سائے کی طرح ساتھ پھریں سرو و صنوبر — سلہ — تو اس قد دلکش سے جو گلزار میں آوے
سب نازگراں مائگی اشک بجا ہے — جب لخت جگر دیدۂ خوں بار میں آوے
دے مجھکو شکایت کی اجازت کہ ستمگر — کچھ تجھکو مزا بھی مرے آزار میں آوے

اس چشم فسون گر کا اگر پاے اشارا
طوطی کی طرح آئینہ گفتار مین آوے

کانٹون کی زبان سوکھ گئی پیاس سے یارب
اک آبلہ پا وادی پرخار مین آوے

مرجاؤن نہ کیون رشک سے جب وہ تن نازک
آغوش خم حلقۂ زنار مین آوے

غارتگر ناموس نہ ہو گر ہوس زر
کیون شاہد گل باغ سے بازار مین آوے

تب چاک گریبان کا مزا ہے دل نادان
جب اک نفس الجھا ہوا ہر تار مین آوے

آتشکدہ ہے سینہ مرا راز نہان سے
اے واے اگر معرض اظہار مین آوے

گنجینۂ معنی کا طلسم اس کو سمجھیے
جو لفظ کہ غالب مرے اشعار مین آوے

له اس قدر دلکش سے یعنی اس قدر دلکش کے ساتھ "ترجمہ ہو "بااین قدر دلکش" کا ۱۲

حسن مہ گرچہ بہ ہنگام کمال اچھا ہے
اس سے میرا مہ خورشید جمال اچھا ہے

بوسہ دیتے نہین اور دل پہ ہے ہر لحظہ نگاہ
جی مین کہتے ہین کہ مفت آئے تو مال اچھا ہے

اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا
ساغر جم سے مرا جام سفال اچھا ہے

بے طلب دین تو مزا اسمین سوا ملتا ہے
وہ گدا جس کو نہ ہو خوے سوال اچھا ہے

ان کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہین کہ بیمار کا حال اچھا ہے

دیکھیے پاتے ہین عشاق بتون سے کیا فیض
اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے

ہم سخن تیشے نے فرہاد کو شیرین سے کیا
جس طرح کا کہ کسی مین ہو کمال اچھا ہے

قطرہ دریا مین جو مل جاے تو دریا ہو جاے
کام اچھا ہے وہ جس کا کہ مآل اچھا ہے

له خضر سلطان کو رکھے خالق اکبر سرسبز
شاہ کے باغ مین یہ تازہ نہال اچھا ہے

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

له خضر سلطان فرزند بہادر شاہ ظفر۔ [illegible]

نہ ہوئی گر مرے مرنے سے تسلی نہ سہی
امتحان اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سہی

مطلع

خار خار الم حسرت دیدار تو ہے
شوق گلچین گلستان تسلی نہ سہی

ہے پرستانِ خمِ مے منہ سے لگائے ہی بنے
ایک دن گر نہ ہوا بزم میں ساقی نہ سہی

نفسِ قیس کہ ہے چشم و چراغِ صحرا
سله گر نہیں شمعِ سیہ خانۂ لیلی نہ سہی

ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

نہ ستایش کی تمنا نہ صلے کی پروا
گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی

عشرتِ صحبتِ خوباں ہی غنیمت سمجھو
نہ ہوئی غالب اگر عمرِ طبیعی نہ سہی

له اگر شوق تسلی کے گلستان کا گلچین نہیں ہو یعنی اگر شوق کو تسلی حاصل نہیں ہوتی تو نہ سہی اسکے لئے حسرت دیدار کا رنج کافی ہے۔

سله شرح۔ اگر نفسِ قیس (جو چشم و چراغِ صحرا ہے) شمعِ سیہ خانۂ لیلی نہیں ہے تو نہ سہی ۱۲
سیہ خانۂ لیلی: خیمۂ سیاہ لیلی، کی مناسبت سے کہا۔ غالب نے اس شعر میں عشق کی شانِ استغنا کا اظہار کیا ہے۔

عجب نشاط سے جلاد کے چلے ہیں ہم آگے
له کہ اپنے سائے سے سر پاؤں سے ہے دو قدم آگے

قضا نے تھا مجھے چاہا خرابِ بادۂ الفت
فقط خراب لکھا بس نہ چل سکا قلم آگے

غمِ زمانہ نے جھاڑی نشاطِ عشق کی مستی
وگرنہ ہم بھی اٹھاتے تھے لذتِ الم آگے

خدا کے واسطے داد اس جنونِ شوق کی دینا
کہ اسکے در پہ پہنچتے ہیں نامہ بر سے ہم آگے

یہ عمر بھر جو پریشانیاں اٹھائی ہیں ہم نے
سله تمہارے آئیو اے طرہ ہائے خم بہ خم آگے

دل و جگر میں پرافشاں جو ایک موجۂ خوں ہے
ہم اپنے زعم میں سمجھے ہوئے تھے اسکو دم آگے

قسم جنازے پہ آنے کی میرے کھاتے ہیں غالب
ہمیشہ کھاتے تھے جو میری جان کی قسم آگے

له مرکے شوقِ شہادت کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ (جیسا کہ سایہ میں ہوتا ہے) پاؤں سے بھی دو قدم آگے ہے ۱۲

سله بد دعا میں دعا کا پہلو نکالا ہے کیونکہ پریشان ہونا زلف کی صفت ہے۔ ۱۲

شکوے کے نام سے بے مہر خفا ہوتا ہے
له یہ بھی مت کہہ کہ جو کہیے تو گلا ہوتا ہے

پر ہوں میں شکوے سے یوں راگ سے جیسے باجا
اک ذرا چھیڑیے پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے

گو سمجھتا نہیں پر حسنِ تلافی دیکھو
سله شکوۂ جور سے سرگرمِ جفا ہوتا ہے

عشق کی راہ مین ہی چرخ مکوکب کی وہ چال / سست رو جیسے کوئی آبلہ پا ہوتا ہے

کیون نہ ٹھیرین ہدف ناوک بیداد کہ ہم / آپ اُٹھا لاتے ہین گر تیر خطا ہوتا ہے

خوب تھا پہلے سے ہوتے جو ہم اپنے بدخواہ / کہ بھلا چاہتے ہین اور برا ہوتا ہے

نالہ جاتا تھا پرے عرش سے میرا اور اب / لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے

قطعہ

خامہ میرا کہ وہ ہے باربد بزم سخن / شاہ کی مدح مین یون نغمہ سرا ہوتا ہے

اے شہنشاہ کواکب سپہ و مہر علم / تیرے اکرام کا حق کس سے ادا ہوتا ہے

سات اقلیم کا حاصل جو فراہم کیجے / تو وہ لشکر کا ترے نعل بہا ہوتا ہے

ہر مہینے مین جو یہ بدر سے ہوتا ہی ہلال / آستان پر ترے مہ ناصیہ سا ہوتا ہے

مین جو گستاخ ہون آئین غزل خوانی مین / یہ بھی تیرا ہی کرم ذوق فزا ہوتا ہے

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی مین معاف
آج کچھ درد مرے دل مین سوا ہوتا ہے

سلہ یہ بھی نہ کہو کہ وہ بے مہر شکوے کے نام سے خفا ہو جاتا ہی کیونکہ ایسا کہنا بھی تو شکوے مین داخل ہوگا

سلہ اگرچہ محبوب کو یہ خبر نہین ہی کہ اسکا سرگرم جفا ہونا ایک طرح پرسش تلافی ہو جائیگا بقول غالب ؎

نالہ جز حسن طلب اے ستم ایجاد نہین / ہے تقاضائے جفا شکوۂ بیداد نہین

اس پہ بھی وہ شکوے سے سرگرم جفا ہوتا ہے ؎

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے / تمھین کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے

نہ شعلے مین یہ کرشمہ نہ برق مین یہ ادا / کوئی بتاؤ کہ وہ شوخ تند خو کیا ہے

سلہ یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تم سے / وگرنہ خوف بد آموزی عدو کیا ہے

چپک رہا ہے بدن پر لہو سے پیراہن / ہماری جیب کو اب حاجت رفو کیا ہے

جلا ہے جسم جہان دل بھی جل گیا ہوگا / کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے

رگون مین دوڑنے پھرنے کے ہم نہین قائل / جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

وہ چیز جسکے لیے ہمکو ہو بہشت عزیز / سوائے بادۂ گلفام مشکبو کیا ہے

پیوں شراب اگر خم بھی دیکھ لوں دو چار / یہ شیشہ و قدح و کوزہ و سبو کیا ہے

رہی نہ طاقت گفتار اور اگر ہو بھی / تو کس امید پہ کہیے کہ آرزو کیا ہے

ہوا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا
وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

ـه رقیب جو میری بدگوئی کرتا ہے اسکا مجھے اندیشہ نہیں البتہ رشک اس بات کا ہے کہ وہ تجھسے ہمکلام ہوتا ہے

میں انھیں چھیڑوں اور کچھ نہ کہیں / چل نکلتے جو مے پیے ہوتے

قہر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو / کاشکے تم مرے لیے ہوتے

میری قسمت میں غم گر اتنا تھا / دل بھی یارب کئی دیے ہوتے

آ ہی جاتا وہ راہ پر غالب
کوئی دن اور بھی جیے ہوتے

غیر لیں محفل میں بوسے جام کے / ہم رہیں یوں تشنہ لب پیغام کے

خستگی کا تم سے کیا شکوہ کہ یہ / ہتھکنڈے ہیں چرخ نیلی فام کے

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو / ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

رات پی زمزم پہ مے اور صبحدم / دھوئے دھبے جامۂ احرام کے

دل کو آنکھوں نے ستایا کیا مگر / یہ بھی حلقے ہیں تمہارے دام کے

شاہ کی ہے غسل صحت کی خبر / دیکھیے کب دن پھریں حمام کے
شاید ۱۲

عشق نے غالب نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

پھر اس انداز سے بہار آئی / کہ ہوئے مہر و مہ تماشائی

دیکھو اے ساکنان خطۂ خاک / اس کو کہتے ہیں عالم آرائی

کہ زمیں ہو گئی ہے سر تا سر / روکش سطح چرخ مینائی

سبزے کو جب کہیں جگہ نہ ملی / بن گیا روئے آب پر کائی

سبزۂ و گل کے دیکھنے کے لیے		چشم نرگس کو دی ہے بینائی	
ہے ہوا مین شراب کی تاثیر	سلہ	بادہ نوشی ہے بادہ پیمائی	

کیون نہ دنیا کو ہو خوشی غالب
شاہ دیندار نے شفا پائی

سلہ جب ہوا مین شراب کی تاثیر ہے تو بادہ پیمائی کا رے فائدہ ہے۔ ۱۲

تغافل دوست ہون میرا دماغ عجز عالی ہے	سلہ	اگر پہلو تہی کیجیے تو جا میری بھی خالی ہے
رہا آباد عالم اہل ہمت کے نہ ہونے سے	سلہ	بھرے ہین جسقدر جام و سبو میخانہ خالی ہے

سلہ میرے عجز کا درجہ یہان تک بڑھا ہوا ہے کہ مین تغافل کو دوست رکھنے لگا ہون پس اس صورت مین ظاہر ہے کہ اگر آپ پہلو تہی کرینگے تو گویا میرا پاس کرین گے کیونکہ مین تغافل اور پہلو تہی کو دوست رکھتا ہون بمصداق سے ہمکو ستم عزیز ستمگر کو ہم عزیز + نامہربان نہین ہو اگر مہربان نہین۔
قاعدہ ہے کہ محفل مین لوگ عام طور پر اپنی مدد اور رضا مل چاہتے ہین لیکن بعضے لوگ مقتضائے کمال کسر نفسی یہی چاہتے ہین کہ ان کی آؤ بھگت نہ ہو۔ ایک بات اور بھی قابل غور ہے کہ اگر محفل محبوب مین اور لوگون کے ساتھ کوئی اس سے سچی محبت رکھنے والا بھی ہو تو یہ بات یقینی ہے کہ محبوب اور ون سے مخاطب ہوگا اور اس سے تغافل کرے گا۔ اہل دل پر روشن ہے کہ یہ تغافل التفات سے بہتر ہے۔ ۱۲
سلہ یعنی اہل ہمت کے نہ ہونے سے عالم آباد رہا۔ کیونکہ اہل ہمت دنیا کو ہیچ سمجھکر اس کی جانب التفات نہ کرتے اور دنیا ویران ہو جاتی۔ دوسرا مصرعہ مثالیہ ہے۔ ۱۲

آپ وہ سنتا ہے کہانی میری		اور پھر وہ بھی زبانی میری	
خلش غمزۂ خون ریز نہ پوچھ	سلہ	دیکھ خوننابہ فشانی میری	
کیا بیان کرکے مرا روئینگے یار		مگر آشفتہ بیانی میری	
ہون ز خود رفتۂ بیدای خیال	سلہ	بھول جانا ہے نشانی میری	
متقابل ہے مقابل میرا	سلہ	رک گیا دیکھ روانی میری	
قدر سنگ سر رہ رکھتا ہون		سخت ارزان ہے گرانی میری	

صرصر شوق ہے بانی میری کھل گئی ہیچمدانی میری	۵۷	گرد بادِ رہِ بیتابی ہوں دہن اُس کا جو نہ معلوم ہوا	

	کر دیا ضعف نے عاجز غالب ننگ پیری ہے جوانی میری	

سے یعنی میری خونتابہ نشانی کو دیکھ کر اُس کے غمزۂ خون ریز کی خلش کی کیفیت واضح ہو جائے گی ۱۲

سے ۵۲ مین صحرائے خیال کا از خود رفتہ ہوں اور از خود رفتگی ہی میری نشانی یا پہچان ہے ۱۲

سے ۵۳ "متقابل ہے" یعنی بتصنع مقابل ہے مطلب یہ ہے کہ حریف میری روانی (روانی طبع) کو دیکھکر درحقیقت قائل ہو گیا ہے، لیکن ظاہر مین محض اپنی بات کی پچ کے لیے بتصنع مقابل کیے جاتا ہے ۱۲

راقم نے اس شعر کے یہ معنی لکھے تھے لیکن بعد کو عودِ ہندی مین مرزا صاحب کا ایک خط مولوی عبد الرزاق صاحب شاکر کے نام نظر سے گذرا جس مین اس شعر کے متعلق لکھا ہے:۔

"تقابل مع تضاد کو کون نہ جانے گا۔ نور ظلمت۔ شادی غم۔ رنج و راحت۔ وجود و عدم۔ لفظ مقابل اس مصرع مین بمعنی مرجع ہے جیسے حریف کہ بمعنی دوست کے بھی مستعمل ہے مفہوم شعر یہ ہے کہ ہم اور دوست از روئے خود عادت ضد یکدیگر ہیں۔ وہ میری طبع روانی دیکھ کر رک گیا۔ ۱۲

سے ۵۴ گرد باد یعنی بگولا جو ہوا کے تیز چلنے سے پیدا ہوتا ہے۔ شاعر اپنے کو راہ بیتابی کا گرد باد قرار دیتا ہے جو صرصر شوق سے پیدا ہوا ہے ۱۲

پائے طاؤس پئے خامۂ مانی مانگے غم وہ افسانہ کہ آشفتہ بیانی مانگے شعلہ تا نبض جگر ریشہ دوانی مانگے	سے ۱ سے ۲	نقش نازِ بتِ طناز بآغوشِ رقیب تو وہ بدخو کہ تحیر کو تماشا جانے وہ تپ عشق تمنا ہے کہ پھر صورت شمع

سے ۱ یعنی آغوش رقیب مین اُس بتِ طناز کی تصویر ناز کے لیے خامۂ مانی کے بجائے پائے طاؤس کی ضرورت ہے "طاؤس حسین ہوتا ہے لیکن پائے طاؤس بدنما ہوتے ہین اسی طرح سے نقش ناز بتِ طناز خوب ہے لیکن "آغوش رقیب" ٹھیک نہین پائے طاؤس کے قلم کی اسی مناسبت سے ضرورت ظاہر کی گئی۔

سے ۲ "وہ تپ عشق تمنا ہے" ترجمہ ہے "آن تپ عشق تمنا دارم" یعنی مجھکو ایسے تپ عشق کی تمنا ہے جسکا شعلہ

گلشن کو تری صحبت از بسکہ خوش آئی ہے — ہر غنچے کا گل ہونا آغوش کشائی ہے

واں کنگر استغنا ہر دم ہے بلندی پر — یاں نالے کو اور الٹا دعوائے رسائی ہے

از بسکہ سکھاتا ہے غم ضبط کے اندازے — سلہ — جو داغ نظر آیا اک چشم نمائی ہے

سلہ داغ صورت میں آنکھ سے مشابہ ہوتا ہے پس داغ گویا نالہ و فریاد پر چشم نمائی کرتا ہے اور شدائی تاکید کرتا ہے ۱۲

جس زخم کی ہو سکتی ہو تدبیر رفو کی — لکھدیجیو یا رب اسے قسمت میں عدو کی

اچھا ہے سر انگشت حنائی کا تصور — دل میں نظر آتی تو ہے اک بوند لہو کی

کیوں ڈرتے ہو عشاق کی بے حوصلگی سے — یاں تو کوئی سنتا نہیں فریاد کسو کی

دشنے نے کبھی منہ نہ لگایا ہو جگر کو — خنجر نے کبھی بات نہ پوچھی ہو گلو کی

صد حیف وہ ناکام کہ اک عمر سے غالب
حسرت میں رہے ایک بت عربدہ جو کی

سلہ اپنی ایذا دوستی کا ثبوت دیتا ہے کہتا ہے کہ میں ایسا زخم نہیں چاہتا جسکے رفو کی تدبیر ہو سکتی ہو ۱۲

سیماب پشت گرمی آئینہ دے ہے ہم — سلہ — حیران کیے ہوئے ہیں دل بے قرار کے

آغوش گل کشودہ برائے وداع ہے — اے عندلیب چل کہ چلے دن بہار کے

سلہ پہلا مصرعہ مثالیہ ہے دل بیقرار کو سیماب سے اور اپنی حیرانی کو آئینے سے مشابہ کیا ہے مطلب یہ ہے کہ جسطرح پارے کی گرمی سے شیشہ آئینہ بنجاتا ہے اسی طرح بیقراری نے مجھکو آئینہ حیرت بنا دیا ہے ۱۲

ہے وصل ہجر عالم تمکین و ضبط میں — سلہ — معشوق شوخ و عاشق دیوانہ چاہیے

اس لب سے مل ہی جائیگا بوسہ کبھی تو ہاں — شوق فضول و جرأت رندانہ چاہیے

سلہ کہتا ہے کہ وصل میں محبوب کی جانب سے شوخی اور عاشق کی جانب سے بیباکی کا اظہار ہونا چاہیے کیونکہ اگر اس حالت میں بھی ضبط و تمکین کا لحاظ رکھا جائیگا تو ایسا وصل بھی گویا ہجر ہی رہے گا ۱۲

چاہیے اچھوں کو جتنا چاہیے — یہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیے

صحبت رنداں سے واجب ہے حذر — جائے مے اپنے کو کھینچا چاہیے

چاہنے کو تیرے کیا سمجھا تھا دل — بارے اب اس سے بھی سمجھا چاہیے

چاک مت کر جیب بے ایامِ گل
کچھ اُدھر کا بھی اشارا چاہیے

دوستی کا پردہ ہے بیگانگی ۱
منہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیے

دشمنی نے میری کھویا غیر کو ۲
کس قدر دشمن ہے دیکھا چاہیے

اپنی رسوائی میں کیا چلتی ہے سعی
یار ہی ہنگامہ آرا چاہیے

منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید
ناامیدی اسکی دیکھا چاہیے

غافل ان مہ طلعتوں کیواسطے
چاہنے والا بھی اچھا چاہیے

چاہتے ہیں خوب رویوں کو اسد
آپ کی صورت تو دیکھا چاہیے

۱ کہتا ہے کہ تم مجھ سے خصوصیت کے ساتھ منہ چھپانا چھوڑ دو یعنی جسطرح سب کے ساتھ بے تکلف بے حجاب اور بیگانہ وار رہتے ہو اسی طرح سے میرے ساتھ بھی رہو کیونکہ اس قسم کی بیگانگی دوستی کا پردہ ہوتی ہے یعنی اُس سے لوگوں کو محبت کا حال معلوم نہیں ہونے پاتا ۱۲
۲ دیکھنا چاہیے کہ رقیب میرا کس درجہ دشمن ہے کہ میری دشمنی کے پیچھے آپ بھی تباہ ہو گیا کیونکہ محبوب اس سے بھی بدگمان ہو گیا ۱۲

ہر قدم دوریِ منزل ہے نمایاں مجھ سے ۱
میری رفتار سے بھاگے ہے بیاباں مجھ سے

درسِ عنوانِ تماشا بہ تغافل خوشتر ۲
ہے نگہ رشتۂ شیرازۂ مژگاں مجھ سے

وحشتِ آتشِ دل سے شبِ تنہائی میں
صورتِ دود رہا سایہ گریزاں مجھ سے

غمِ عشاق نہ ہو سادگی آموزِ بتاں ۳
کس قدر خانۂ آئینہ ہے ویراں مجھ سے

اثرِ آبلہ سے جادۂ صحرائے جنوں ۴
صورتِ رشتۂ گوہر ہے چراغاں مجھ سے

بیخودی بسترِ تمہیدِ فراغت ہو جو ۵
پُر ہے سایے کی طرح میرا شبستاں مجھ سے

شوقِ دیدار میں گر تو مجھے گردن مارے ۶
ہو نگہ مثلِ گلِ شمع پریشاں مجھ سے

بیکسی ہائے شبِ ہجر کی وحشت ہے ہے ۷
سایہ خورشیدِ قیامت میں ہے پنہاں مجھ سے

گردشِ ساغرِ صد جلوۂ رنگیں تجھ سے ۸
آئینہ داریِ یک دیدۂ حیراں مجھ سے

نگہِ گرم سے اک آگ ٹپکتی ہے اسد
ہے چراغاں خس و خاشاکِ گلستاں مجھ سے

۱ہ اپنی رفتار کی ناکامی کا بیان بہ غلو کرتا ہے کہ ہر قدم پر بجائے نزدیک ہونے کے منزلِ مقصود دور ہوتی جاتی ہے۔۱۲

۲ہ ظاہر ہے کہ رشتۂ شیرازۂ مژگان غیر محسوس ہوتا ہے پس مطلب ٹھیرا کہ کتابِ دیدارِ یار کے عنوان کا درس یاد ہے (مجازت استعارات) محبوب کے دیدار کا لطف اسی حالت میں ہے کہ ہم اُسے دیکھیں اور اُسے ہمارے اس دیکھنے کا علم نہو۔۱۲

۳ہ یعنی یہ مناسب نہیں ہے کہ عشاق کے غم میں محبوب ترکِ آرایش کرکے سادگی اختیار کرے اور آئینہ دیکھنا چھوڑ دے اور اس طور پر خانۂ آئینہ ویران ہو جائے ۱۲

۴ہ آبلے کو گوہرِ روشن اور جادۂ صحرا کو رشتۂ گوہر سے مشابہ کیا ہے۔۱۲

۵ہ بہ طفیلِ بیخودی (جس کو بسترِ تمہید فراغت ہونا نصیب ہے) میرا شبستان مجھ سے پُر ہے جس طرح سائے کا شبستان سائے سے پُر ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بربنائے بیخودی میں مثلِ سایہ اپنی جگہ پر آرام پڑا ہوا ہوں۔۱۲

۶ہ شمع کا گل جب کترا جاتا ہے تو اُسکے اجزا پریشان اور برہم ہو جاتے ہیں۔ غالب کہتا ہے کہ اگر تو مجھے گردن مارے تو میری نگاہ بربنائے شوقِ دیدار گلِ شمع کی مانند پریشان ہو جائے یعنی ایک نگاہ کی کئی نگاہیں ہو جائیں۔۱۲

۷ہ بقول شاعرے کسی کا کب کوئی روزِ سیہ میں ساتھ دیتا ہے ٭ کہ تاریکی میں سایہ بھی جدا رہتا ہے انساں سے ٭

۸ہ برابر کے کیا خوب بلیغ مصرعے لکھے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جلوۂ حسن کا تعلق تجھ سے ہے اور حیرتِ عشق کا مجھ سے۔۱۲

نکتہ چیں ہے غمِ دل اُسکو سنائے نہ بنے
کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

میں بلاتا تو ہوں اس کو مگر اے جذبۂ دل
اُس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے

کھیل سمجھا ہے کہیں چھوڑ نہ دے بھول نہ جائے
کاش یوں بھی ہو کہ بن میرے ستائے نہ بنے

غیر پھرتا ہے لیے یوں ترے خط کو کہ اگر
کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے

اس نزاکت کا بُرا ہو وہ بھلے ہیں تو کیا
ہاتھ آویں تو اُنھیں ہاتھ لگائے نہ بنے

کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے
پردہ چھوڑا ہے وہ اُس نے کہ اُٹھائے نہ بنے

موت کی راہ نہ دیکھوں کہ بن آئے نہ رہے ۔۔۔ [1] تم کو چاہوں کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے
بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے ۔۔۔ کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

✓ عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

[1] موت کی راہ دیکھنے سے کیا فائدہ کہ وہ تو خواہ مخواہ آئے ہی گی۔ تمھاری خواہش کرنا چاہیے کہ اگر تم نہ آؤ تو مجھے بلاتے بھی نہ بن پڑے۔۱۲

Muhammad Usman Siddique
20-3-56 3rd year Arts

چاک کی خواہش اگر وحشت بہ عریانی کرے ۔۔۔ [2] صبح کے مانند زخم دل گریبانی کرے
جلوے کا تیرے وہ عالم ہے کہ گر کیجے خیال ۔۔۔ دیدۂ دل کو زیارت گاہ حیرانی کرے
ہے شکستن سے بھی دل نومید یارب کب تلک ۔۔۔ [3] آبگینہ کوہ پر عرض گران جانی کرے
میکدہ گر چشم مست ناز سے پاوے شکست ۔۔۔ [4] موئے شیشہ دیدۂ ساغر کی مژگانی کرے
خط عارض سے لکھا ہے زلف کو الفت نے عہد ۔۔۔ [5] یک قلم منظور ہے جو کچھ پریشانی کرے

[2] عریانی کی حالت میں اگر وحشت کو گریبان چاک کرنے کی خواہش پیدا ہو تو میرا زخم دل صبح کے مانند گریبان بن کر چاک ہو۔

[3] ہم کب تک یہ خواہش کریں کہ وہ سنگ دل تغافل شعار ہماری دل شکنی ہی کرے اور وہ اسیر کبھی متوجہ نہ ہو۔۱۲ یعنی تغافل شعاری اُسے دل شکنی کی بھی اجازت نہ دے۔

[4] اگر میکدہ محبوب کی مست ناز آنکھ سے شکست پاوے تو ساغر میں جو بال پڑیں وہ گویا دیدۂ ساغر کے لیے پلکیں بن جائیں اور چشم و ساغر محو چشم یار ہو جاوے واللہ اعلم۔

[5] خط عارض سے یعنی بذریعہ خط عارض۔ عارض یار پر جو خط نمایاں ہوا ہے وہ ایک عہد نامہ ہے جو الفت نے زلف کو لکھ دیا ہے کہ میرے حق میں پریشانی کو جو کچھ کرنا ہو کرے مجھے سب منظور ہے۔۱۲

وہ آ کے خواب میں تسکین اضطراب تو دے ۔۔۔ ولے مجھے تپش دل مجال خواب تو دے
کرے ہے قتل لگاوٹ میں تیرا رو دینا ۔۔۔ تری طرح کوئی تیغ نگہ کو آب تو دے
دکھا کے جنبش لب ہی تمام کر ہم کو ۔۔۔ نہ دے جو بوسہ تو منہ سے کہیں جواب تو دے

پلا دے اوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے | پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے

اسد خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے
کہا جو اُس نے ذرا میرے پاؤں داب تو دے

تپش سے میری وقفِ کشمکش ہر تارِ بستر ہے | مرا سر رنجِ بالیں ہے مرا تن بارِ بستر ہے
سرشکِ سر بہ صحرا دادہ نور العینِ دامن ہے | دلِ بے دست و پا افتادہ برخوردارِ بستر ہے
خوشا اقبالِ رنجوری عیادت کو تم آئے ہو | سلہ فروغِ شمعِ بالیں طالعِ بیدارِ بستر ہے
بطوفاں گاہِ جوشِ اضطرابِ شامِ تنہائی | سلہ شعاعِ آفتابِ صبحِ محشر تارِ بستر ہے
ابھی آتی ہے بو بالش سے اُس کی زلفِ مشکیں کی | سلہ ہماری دید کو خوابِ زلیخا عارِ بستر ہے

کہوں کیا دل کی کیا حالت ہے ہجرِ یار میں غالب
کہ بے تابی سے ہر اک تارِ بستر خارِ بستر ہے

سلہ تمہارے آنے کی وجہ سے طالعِ بیدارِ بستر فروغِ شمعِ بالیں ہے یعنی طالعِ بیدار کی درخشندگی شمعِ بالیں کی روشنی سے بھی بڑھ گئی ہے ۱۲

سلہ بہ طوفان گاہ اضطرابِ شامِ فراق ہر تارِ بستر شعاعِ آفتابِ قیامت سا ہے ۱۲

سلہ ابھی بالش سے محبوب کے گیسوئے عنبریں کی خوشبو آتی ہے یعنی شبِ وصل کو گذرے ہوئے کچھ بہت [illegible] نہیں ہوا ایسی حالت میں زلیخا کی طرح صرف خواب میں دیدارِ یار کا حاصل ہونا ہمارے بستر کے لئے موجبِ عار ہے ۱۲

خطر ہے رشتۂ الفت رگِ گردن نہ ہو جائے | سلہ غرورِ دوستی آفت ہے تو دشمن نہ ہو جائے
سمجھ اس فصل میں کوتاہیِ نشو و نما غالب | اگر گل سرو کے قامت پہ پیراہن نہ ہو جائے

سلہ رگِ گردن کی [illegible] غرور [illegible] مطلب یہ ہے کہ محبوب کو میری دوستی پر اس قدر [illegible] اور غرور ہے کہ کہیں رشتۂ الفت رگِ گردن نہ ہو جائے یعنی محبت مبدل بہ غرور [illegible]

سلہ موسمِ بہار میں تیری غفلت شعاریاں [illegible] اس کا اعتبار نہ چاہئے [illegible]

سلہ یعنی اس قدر ہجومِ گل نہ ہو کہ سرو ان میں پوشیدہ ہو جائے ۱۲

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے | نالہ پابندِ نے نہیں ہے

کیوں بوتے ہیں باغبان تونبے	[1]	گر باغ گدائے مے نہیں ہے
ہر چند ہر ایک شے مین تو ہے	[2]	پر تجھ سی تو کوئی شے نہیں ہے
ہان کھائیو مت فریب ہستی		ہر چند کہین کہ ہے نہیں ہے
شادی سے گذر کہ غم نہ ہووے		اردی (ماہ بہار ۱۲) جو نہ ہو تو دے (ماہ خزان ۱۲) نہیں ہے
کیون ردّ قدح کرے ہے زاہد		مے ہے یہ مگس کی قے (شہد) نہیں ہے
	[3]	ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالب آخر تو کیا ہے اے "نہیں ہے"

[1] یعنی تونبون کی باغ مین موجودگی ثابت کرتی ہے کہ باغ بھی گدائے مے ہے کیونکہ تونبون سے کشکول گدائی اور کدوئے شراب بنتا ہے۔۱۲

[2] تجھ سی یعنی تیرے مانند۔۱۲

[3] ردیف غزل مین الفاظ "نہیں ہے" "نہیں ہے" کو بار بار لانے کے سبب غالب نے از راہ شوخی اپنا نام ہی "نہیں ہے" قرار دے لیا ہے اور دریافت کرتا ہے کہ جب ہستی کی نسبت تو کہتا ہے کہ "نہیں ہے" اور عدم کے باب مین بھی تیرا یہی قول ہے کہ "نہیں ہے" تو اے "نہیں ہے" یعنی اے غالب یہ تو بتا کہ آخر تو ہے کیا۔۱۲

نہ پوچھ نسخۂ مرہم جراحت دل کا	[1]	کہ اس مین ریزۂ الماس جزو اعظم ہے
بہت دنون مین تغافل نے تیرے پیدا کی	[2]	وہ اک نگہ کہ بظاہر نگاہ سے کم ہے

[1] ریزۂ الماس سے زخم اور بھی بڑھ جاتا ہے ریزۂ الماس کو زخم دل کا مرہم کہہ کر اپنی ایذا دوستی کا اظہار کیا ہے ۱۲

[2] پہلے تغافل بالارادہ تھا یعنی دیدہ و دانستہ بیگانگی تھا لیکن اب ایک نگہ ہے جسکو درحقیقت التفات کہنا چاہیے اگرچہ بظاہر ہم اس کو نگاہ نہیں کہہ سکتے ہیں۔۱۲

ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہین کرتے	[1]	مرتے ہین ولے ان کی تمنا نہین کرتے
در پردہ انھین غیر سے ہے ربط نہانی	[2]	ظاہر کا یہ پردا ہے کہ پردا نہین کرتے
یہ باعث نومیدی ارباب ہوس ہے	[3]	غالب کو برا کہتے ہو اچھا نہین کرتے

سلہ وہی مضمون ہے کہ "میں اُسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے" یہ انتہائے رشک ہے کہ اپنے اوپر بھی رشک آتا ہے ۔۱۲

سلہ وہ جو غیر سے بے تکلف ملتے ہیں اس سے غرض یہ ہے کہ لوگوں کو یہ نہ معلوم ہو سکے کہ اُن کو رقیب کے ساتھ کوئی خاص تعلق بھی ہے گویا ان کا پردہ نہ کرنا ایک پردہ ٹھیرا جس سے غیر کے ساتھ اُنکے ربط نہانی کا راز پوشیدہ رہتا ہے ۔۱۲ یہ وہی مضمون ہے کہ

	منھ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیے		دوستی کا پردہ ہے بیگانگی	

سلہ یعنی غالب کے سے عاشق صادق کو جب تم بُرا کہتے ہو تو رقیب بوالہوس کو پھر تم سے کیا امید رہے گی ۔۱۲

خطِ پیالہ سراسر نگاہِ گلچیں ہے	سلہ	کرے ہے بادہ ترے لب سے کسبِ رنگِ فروغ
کہ ایک عمر سے حسرت پرستِ بالیں ہے		کبھی تو اس دلِ شوریدہ کی بھی داد ملے
کہ گوشِ گل نمِ شبنم سے پنبہ آگیں ہے	سلہ	بجا ہے گر نہ سنے نالہائے بلبلِ زار

اسدؔ ہے نزع میں چل بے وفا برائے خدا
مقامِ ترکِ حجاب و وداعِ تمکیں ہے

لہ شراب تیرے لب سے کسبِ رنگ کرتی ہے پس گویا بادہ گلچین ٹھیرا اور خطِ ساغر نگاہ گل چین ۔۱۲

سلہ نمِ شبنم کو اسکی سفیدی کے اعتبار سے پنبہ کہا ۔ یعنی گویا گوشِ گل کو پنبہ کیے ہوئے ہے ۔۱۲

یعنی اس بیمار کو نظارے سے پرہیز ہے		کیوں نہ ہو چشمِ بتاں محوِ تغافل کیوں نہ ہو
وائے ناکامی کہ اس کافر کا خنجر تیز ہے		مرتے مرتے دیکھنے کی آرزو رہ جائیگی

عارضِ گل دیکھ روئے یار یاد آیا اسدؔ
جوششِ فصلِ بہاری اشتیاق انگیز ہے

ہوا رقیب تو ہو نامہ بر ہے کیا کہیے	سلہ	دیا ہے دل اگر اس کو بشر ہے کیا کہیے
قضا سے شکوہ ہمیں کس قدر ہے کیا کہیے	سلہ	یہ ضد کہ آج نہ آوے اور آئے بن نہ رہے
اگر نہ کہیے کہ دشمن کا گھر ہے کیا کہیے		رہے ہے یوں گہ و بے گہ کہ کوئے دوست کو اب
کہ بن کہے ہی انھیں سب خبر ہے کیا کہیے		زہے کرشمہ کہ یوں دے رکھا ہے ہم کو فریب

سمجھ کے کرتے ہیں بازار میں وہ پرسش حال — کہ یہ کہے کہ سر رہگذر ہے کیا کہیے

تمہیں نہیں ہے سر رشتۂ وفا کا خیال — ۳؎ ہمارے ہاتھ میں کچھ ہے مگر ہے کیا کہیے

اُنہیں سوال پہ زعم جنون ہے کیون لڑیے — ہمین جواب سے قطع نظر ہے کیا کہیے

حسد سزائے کمال سخن ہے کیا کیجے — ستم بہائے متاع ہنر ہے کیا کہیے

کہا ہے کس نے کہ غالب برا نہین لیکن
سوائے اس کے کہ آشفتہ سر ہے کیا کہیے

۱؎ دیا ہو دل یعنی نامہ بر نے اس کو یعنی محبوب کو ۱۲

۲؎ اجل آئے گی ضرور مگر آج جب ہم چاہتے ہین تو ضد کی وجہ سے نہین آتی ۱۲

۳؎ محبوب سے پوچھتا ہے کہ ہمارے ہاتھ مین کچھ چیز ہے کہیے کہ وہ کیا چیز ہے ۱۲
پہلے مصرع مین اس شے یعنی سر رشتہ وفا کا نام بھی ظاہر کر دیا ہے جس سے مقصد یہ ہے کہ محبوب وفا سے اس درجہ بیگانہ ہے کہ بتا دینے پر بھی اُس کو یہ نہ معلوم ہو سکے گا کہ ہمارے ہاتھ مین سر رشتہ وفا ہو۔

دیکھ کر در پردہ گرم دامن افشانی مجھے — ۱؎ کر گئی وابستۂ تن میری عریانی مجھے

بن گیا تیغ نگاہ یار کا سنگ فسان — مرحبا مین کیا مبارک ہے گرانجانی مجھے

کیون نہ ہو بے التفاتی اس کی خاطر جمع ہے — ۲؎ جانتا ہے محو پرسشہائے پنہانی مجھے

میرے غم خانے کی قسمت جب رقم ہونے لگی — ۳؎ لکھ دیا منجملۂ اسباب ویرانی مجھے

بدگمان ہوتا ہے وہ کافر نہ ہوتا کاشکے — اس قدر ذوق نوائے مرغ بستانی مجھے

وائے وان بھی شور محشر نے نہ دم لینے دیا — لے گیا تھا گور مین ذوق تن آسانی مجھے

وعدہ آنے کا وفا کیجے یہ کیا انداز ہے — ۴؎ تم نے کیون سونپی ہے میرے گھر کی دربانی مجھے

ہان نشاط آمد فصل بہاری واہ واہ — پھر ہوا ہے تازہ سودائے غزل خوانی مجھے

دی مرے بھائی کو حق نے از سر نو زندگی
میرزا یوسف ہے غالب یوسف ثانی مجھے

۱؎ دامن افشانی سے ترک تعلقات دنیاوی مراد ہے مطلب یہ ہے کہ ترک تعلقات کسی طرح ممکن نہین

میں سمجھتا تھا کہ عریاں رہ کر تعلقات لباس سے آزاد ہو جاؤں گا لیکن بحالت عریانی بھی جسم کی پابندی باقی رہی اور کامل آزادی نصیب نہ ہوئی ۱۲

۵۲ محبوب کو خوب معلوم ہے کہ اس کی بے اعتنائی مجھکو ناگوار نہ ہوگی اسی باعث سے وہ اظہار بے التفاتی میں بے باک ہے ۱۲ پرسش پنہاں وہ پرسش جو بذریعۂ الفاظ نہ ہو۔

۵۳ یعنی غمخانے کی ویرانی کے اسباب میں سے ایک سبب میری ذات کو بھی قرار دیا یہ کہ اسباب کے بجائے مجھکو اسباب ویرانی ملا ۱۲

۵۴ یعنی ہر وقت انتظار میں میری نگاہ دروازے پر لگی رہتی ہے ۱۲ "دیکھیے" کے ساتھ "تم" اب ناجائز ہے۔

یاد ہے شادی میں بھی ہنگامۂ یارب مجھے	۱	سبحۂ زاہد ہوا ہے خندہ زیر لب مجھے
ہے کشاد خاطر وابستہ در رہن سخن	۲	تھا طلسم قفل ابجد خانۂ مکتب مجھے
یارب اس آشفتگی کی داد کس سے چاہیے		رشک آسائش پہ ہے زندانیوں کی اب مجھے
طبع ہے مشتاق لذتہائے حسرت کیا کروں	۳	آرزو سے ہے شکست آرزو مطلب مجھے

دل لگا کر آپ بھی غالب مجھی سے ہو گئے
عشق سے آتے تھے مانع میرزا صاحب مجھے
یعنی مرزا [illegible] ۱۲

۱ جسطرح دانہائے تسبیح سے صورت خندہ نمایاں ہوتی ہے لیکن ان پر ذکر "یارب" ہوتا ہے اسی طرح سے مجھے شغل شادی میں بھی ہنگامۂ فریاد یاد رہتا ہے "یارب" کے لفظ میں ایہام ہے ۱۲

۲ قفل ابجد ایک قسم کا قفل ہوتا ہے جس میں بہت سی چرخیاں ہوتی ہیں جن پر مختلف حروف کندہ ہوتے ہیں اس قفل کے کھولنے کے لیے یہ امر ضروری ہوتا ہے کہ اس کی چرخیاں گھما کر اس طرح پر ترتیب دی جائیں کہ حرفوں سے مل کر ایک مقررشدہ لفظ بن جائے گویا قفل ابجد کا وا ہونا لفظ مقررہ کے بننے پر موقوف ٹھہرا یا بالفاظ دیگر یوں کہیے کہ قفل ابجد کا وا ہونا در رہن سخن ٹھہرا ۱۲ غالب اپنی خاطر وابستہ کو بھی اس قفل ابجد سے مشابہ کر کے کہتا ہے کہ میری گرفتہ خاطری کا علاج شغل شعر و سخن ہے

۳ چونکہ میں حسرت و یاس کی لذت کا مشتاق ہوں اس لیے میری آرزو سے شکست آرزو مراد ہے۔ کیونکہ بغیر شکست آرزو کے لذت حسرت کیونکر مل سکتی ہے ۱۲

حضورِ شاہ میں اہلِ سخن کی آزمایش ہے
چمن میں خوش نوایانِ چمن کی آزمایش ہے

قد و گیسو میں قیس و کوہکن کی آزمایش ہے
جہاں ہم ہیں وہاں دار و رسن کی آزمایش ہے

کریں گے کوہکن کے حوصلے کا امتحاں آخر
ہنوز اس خستہ کے نیروے تن کی آزمایش ہے

نسیمِ مصر کو کیا پیرِ کنعاں کی ہوا خواہی
اُسے یوسف کی بوے پیرہن کی آزمایش ہے [1]

وہ آیا بزم میں دیکھو نہ کہیو پھر کہ غافل تھے
شکیب و صبرِ اہلِ انجمن کی آزمایش ہے

رہے دل ہی میں تیر اچھا جگر کے پار ہو بہتر
غرض شستِ بتِ ناوک فگن کی آزمایش ہے

نہیں کچھ سبحہ و زنار کے پھندے میں گیرائی
وفاداری میں شیخ و برہمن کی آزمایش ہے

پڑا رہ اے دلِ وابستہ بیتابی سے کیا حاصل
مگر پھر تابِ زلفِ پرشکن کی آزمایش ہے [2]

رگ و پے میں جب اُترے زہرِ غم تب دیکھیے کیا ہو
ابھی تو تلخیِ کام و دہن کی آزمایش ہے

وہ آویں گے مرے گھر وعدہ کیسا دیکھنا غالب
نئے فتنوں میں اب چرخِ کہن کی آزمایش ہے [3]

[1] نسیم مصر جو بوے یوسف اپنے ہمراہ لائی ہے وہ حضرت یعقوب کی ہوا خواہی کی بنا پر نہیں ہے بلکہ اس لیے ہے کہ بوے پیراہن یوسف کی آزمایش کرے کہ پیر کنعان پر اس کا اثر کہاں تک ہوتا ہے ۱۲

[2] اس زلف پرشکن کے پیچ و خم ایسے نہیں ہیں کہ دل ان سے رہا ہو سکے۔ دل وابستہ کئی بار اس امر کا تجربہ کر چکا ہے۔ اب جو یہ بے تابی کرتا ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید پھر اسے "تاب زلف پرشکن کی آزمایش ہے" ۱۲

[3] نیا فتنہ یعنی اُن کے آنے کا فتنہ ۱۲

کبھی نیکی بھی اُس کے جی میں گر آجائے ہے مجھ سے
جفائیں کر کے اپنی یاد شرما جائے ہے مجھ سے

خدایا جذبۂ دل کی مگر تاثیر اُلٹی ہے
کہ جتنا کھینچتا ہوں اور کھنچتا جائے ہے مجھ سے

وہ بدخو اور میری داستانِ عشق طولانی
عبارت مختصر قاصد بھی گھبرا جائے ہے مجھ سے

اُدھر وہ بدگمانی ہے اِدھر یہ ناتوانی ہے
نہ پوچھا جائے ہے اُس سے نہ بولا جائے ہے مجھ سے

سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت ہے
کہ دامانِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے

تکلف برطرف نظارگی میں بھی سہی لیکن
وہ دیکھا جائے کب یہ ظلم دیکھا جائے ہے مجھ سے

جز نام نہیں صورت عالم مجھے منظور — جز وہم نہیں ہستی اشیا مرے آگے

ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرا مرے ہوتے — ۱ — گھستا ہے جبیں خاک پہ دریا مرے آگے

مت پوچھ کہ کیا حال ہے میرا ترے پیچھے — ۲ — تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے تیرا مرے آگے

سچ کہتے ہو خود بین و خود آرا ہوں نہ کیوں ہوں — بیٹھا ہے بت آئینہ سیما مرے آگے

پھر دیکھیے انداز گل افشانی گفتار — رکھ دے کوئی پیمانۂ صہبا مرے آگے

نفرت کا گماں گذرے ہے میں رشک سے گذرا — کیونکر کہوں لو نام نہ اُن کا مرے آگے

ایماں مجھے روکے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر — کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے

عاشق ہوں پہ معشوق فریبی ہے مرا کام — مجنوں کو بُرا کہتی ہے لیلیٰ مرے آگے

خوش ہوتے ہیں پر وصل میں یوں مر نہیں جاتے — ۳ — آئی شب ہجراں کی تمنا مرے آگے

ہے موجزن اک قلزم خوں کاش یہی ہو — آتا ہے ابھی دیکھیے کیا کیا مرے آگے

گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے — رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

ہم پیشہ و ہم مشرب و ہم راز ہے میرا
غالب کو بُرا کیوں کہو اچھا مرے آگے

۱ مرے ہوتے یعنی ہم صحرا گرد کے ہوتے۔ مرے آگے یعنی مجھ اشکبار کے ہوتے۔

۲ یعنی جس طرح تو میرے آگے کشمکش حیا و شوخی کے ہاتھوں دل تنگ و مجبور ہو کر بیٹھا ہے اسی طرح میں تیرے پیچھے تنگ دل اور پریشان رہتا ہوں۔۱۲

۳ ہجر میں وہ جو میں اکثر مرجانے کی آرزو کیا کرتا تھا وہ آرزو وصل کی شب میرے آگے آئی یعنی اس صورت سے کہ میں شادی مرگ ہوگیا۔۱۲

کہوں جو حال تو کہتے ہو مدعا کہیے — تمہیں کہو کہ جو تم یوں کہو تو کیا کہیے

نہ کہیو طعن سے پھر تم کہ ہم ستمگر ہیں — ۱ — مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہیے

وہ نیشتر سہی پر دل میں جب اتر جاوے — نگاہ ناز کو پھر کیوں نہ آشنا کہیے

نہیں ذریعۂ راحت جراحت پیکاں — ۲ — وہ زخم تیغ ہے جسکو کہ دل کشا کہیے

جو مدعی بنے اُس کے نہ مدعی بنیے — جو ناسزا کہے اُس کو نہ ناسزا کہیے

کہیں حقیقتِ جانکاہیِ مرض لکھیے ۔۔۔ کہیں مصیبتِ ناسازیِ دوا کہیے

کبھی شکایتِ رنجِ گراں نشیں کیجے ۔۔۔ کبھی حکایتِ صبرِ گریز پا کہیے

رہے نہ جان تو قاتل کو خوں بہا دیجے ۔۔۔ کٹے زبان تو خنجر کو مرحبا کہیے

نہیں نگار کو اُلفت نہ ہو نگار تو ہے ۔۔۔ ۳ ۔۔۔ روانیِ روش و مستیِ ادا کہیے

نہیں بہار کو فرصت نہ ہو بہار تو ہے ۔۔۔ طراوتِ چمن و خوبیِ ہوا کہیے

سفینہ جب کہ کنارے پہ آ لگا غالب

خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہیے

۱ یعنی اگر تم بطور طعن کہو گے کہ "تو ستمگر ہیں" تو اس پر بھی میں حسب عادت کہوں گا کہ "بجا ہے"۔ اس وقت خفا نہ ہونا ۱۲

۲ اپنی ایذا دوستی کا اظہار کرتا ہے اور زخم تیغ کو زخم تیر پر ترجیح دیتا ہے کیونکہ زخم تیغ بڑا اور کشادہ ہوتا ہے۔

۳ یعنی اگر محبوب کو ہم سے الفت نہیں ہے تو اس سے اس کی محبوبی میں کیا فرق آ سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اسکے عیوب سے چشم پوشی کر کے صرف قابل تعریف باتوں کو لینا چاہیئے۔ ۱۲ اس کے بعد والے شعر کا مفہوم بھی یہی ہے۔ ۱۲

رونے سے اور عشق میں بیباک ہو گئے ۔۔۔ دھوئے گئے ہم اتنے کہ بس پاک ہو گئے

صرفِ بہائے مے ہوئے آلاتِ میکشی ۔۔۔ ۱ ۔۔۔ تھے یہ ہی دو حساب سو یوں پاک ہو گئے

رسوائے دہر گو ہوئے آوارگی سے تم ۔۔۔ بارے طبیعتوں کے تو چالاک ہو گئے

کہتا ہے کون نالۂ بلبل کو بے اثر ۔۔۔ پردے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے

پوچھے ہے کیا وجود و عدم اہلِ شوق کا ۔۔۔ آپ اپنی آگ کے خس و خاشاک ہو گئے

کرنے گئے تھے اس سے تغافل کا ہم گلہ ۔۔۔ کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے

اس رنگ سے اٹھائی کل اس نے اسد کی نعش

دشمن بھی جس کو دیکھ کے غمناک ہو گئے

۱ دو حساب یعنی [illegible] ۱۲

نشہ ہا شاداب رنگ و ساز ہا مست طرب ۔۔۔ سلہ ۔۔۔ شیشۂ مے سرو سبز جوئبار نغمہ ہے
ہمنشین مت کہہ کہ برہم کر نہ بزم عیش دوست ۔۔۔ سلہ ۔۔۔ واں تو میرے نالے کو بھی اعتبار نغمہ ہے

سلہ نغمہ کو باعتبار روانی آواز جوئبار کہا اور شیشۂ مے کو باعتبار سبزی اس جوئبار کا سرو سبز قرار دیا اور اس حالت مستی میں نشے کو رنگ سے شاداب اور ساز کو نشۂ طرب سے سرشار ٹھیرایا ۔ ۱۲

سلہ یعنی میری نالہ کشی برہمی بزم یار کا موجب نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کی محفل عیش میں جا کر میرا نالہ بھی نغمہ بن جاتا ہے ۔ ۱۲

عرض ناز شوخی دنداں برائے خندہ ہے ۔۔۔ سلہ ۔۔۔ دعوئے جمعیت احباب جائے خندہ ہے
ہے عدم میں غنچہ محو عبرت انجام گل ۔۔۔ سلہ ۔۔۔ یک جہاں زانو تامل در قفائے خندہ ہے
کلفت افسردگی کو عیش بیتابی حرام ۔۔۔ سلہ ۔۔۔ ورنہ دنداں در دل افشردن بنائے خندہ ہے
سوزش باطن کے ہیں احباب منکر ورنہ یاں ۔۔۔ سلہ ۔۔۔ دل محیط گریہ و لب آشنائے خندہ ہے

[illegible] Ahmad
20-3-56 3rd year Art

سلہ مصرعۂ اولی ثبوت مثالی ہے مصرعۂ ثانی کا ۔ ۱۲

سلہ یک جہاں زانو یعنی کثرت ۔ غنچہ کھلنے کے بعد محو عبرت ہے کہ میرا بھی یہی انجام ہونے والا ہے جو اور پھولوں کا ہوا ۔ "عدم میں" اس لیے کہ کھلنے کے بعد غنچہ معدوم اور گل پیدا ہو گیا ۔ ۱۲

سلہ افسردگی کے ہوتے ہوئے عیش بیتابی حاصل نہیں ہو سکتا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ بیتاب ہونا اور خون جگر کھانا یہی چیزیں محبت میں بنائے عیش ہیں ۔ ۱۲

سلہ سوز دروں سے آنسو خشک ہو جاتے ہیں اور دل کا محیط گریہ ظاہر نہیں ہونے پاتا ۔ ورنہ حال یہ ہے کہ اگرچہ "لب آشنائے خندہ" ہے لیکن "دل محیط گریہ" ہے ۔ یعنی اگرچہ بظاہر ہم خوش ہیں لیکن میرا باطن مبتلائے غم ہے ۔

حسن بے پروا خریدار متاع جلوہ ہے ۔۔۔ سلہ ۔۔۔ آئینہ زانوئے فکر اختراع جلوہ ہے
تا کجا اے آگہی رنگ تماشا باختن ۔۔۔ سلہ ۔۔۔ چشم وا گردیدہ آغوش وداع جلوہ ہے

سلہ خریدار متاع جلوہ یعنی خواہشمند جلوہ گری ۔ فکر اختراع جلوہ یعنی اس بات کی فکر کہ جلوہ گری کی خواہش کس طور سے پوری ہو ۔ آئینے کو اس فکر یعنی اختراع جلوہ کا زانو قرار دیا اس لحاظ سے کہ بوقت آرائش آئینہ استعمال کیا جاتا ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ حسن باوجودیکہ

لیے پروا ہوتا ہے لیکن جلوہ گری کی فکر اس کو بھی رہتی ہے چنانچہ آئینہ گویا اس خواہش جلوہ گری کا زانوے فکر ہوتا ہے۔ ۱۲

سلہ چشم واگردیدہ آغوش سے مشابہ ہے جو جلوۂ ناپائدار کو رخصت کرنے کے لیے کھلی ہے۔ غالب "آگاہی" سے پوچھتا ہے کہ تو کب تک حسرت تماشائے جلوۂ ظاہر رہے گی۔ ۱۲

جب تک دہانِ زخم نہ پیدا کرے کوئی
مشکل کہ تجھ سے راہِ سخن وا کرے کوئی

عالم غبارِ وحشتِ مجنوں ہے سر بسر
کب تک خیالِ طرۂ لیلیٰ کرے کوئی

افسردگی نہیں طرب انشائے التفات
ہاں درد بن کے دل میں مگر جا کرے کوئی سلہ۱

رونے سے اے ندیم ملامت نہ کر مجھے
آخر کبھی تو عقدۂ دل وا کرے کوئی

چاکِ جگر سے جب رہِ پرسش نہ وا ہوئی
کیا فائدہ کہ جیب کو رسوا کرے کوئی سلہ۲

لختِ جگر سے ہے رگِ ہر خار شاخِ گل
تا چند باغبانیِ صحرا کرے کوئی سلہ۳

ناکامیِ نگاہ ہے برقِ نظارہ سوز
تو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی

ہر سنگ و خشت ہے صدفِ گوہرِ شکست
نقصاں نہیں جنوں سے جو سودا کرے کوئی سلہ۴

سر بر ہوئی نہ وعدۂ صبر آزما سے عمر
فرصت کہاں کہ تیری تمنا کرے کوئی

ہے وحشتِ طبیعتِ ایجاد یاس خیز
یہ درد وہ نہیں کہ نہ پیدا کرے کوئی سلہ۵

بیکاریِ جنوں کو ہے سر پیٹنے کا شغل
جب ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پھر کیا کرے کوئی

حسنِ فروغِ شمعِ سخن دور ہے اسد
پہلے دلِ گداختہ پیدا کرے کوئی

سلہ۱ سراپا درد بن جانے سے ممکن ہے کہ اسکے دل میں جگہ ہو سکے ورنہ افسردہ خاطر ہو کر بیٹھ رہنے سے التفات یار کی امید فضول ہے۔

سلہ۲ یعنی جب چاک جگر سے کچھ حاصل نہ ہوا تو اب گریبان دری سے بجز رسوائی اور کیا ہاتھ آئیگا ۱۲

سلہ۳ صحرا میں چونکہ میرے دل و جگر کے ٹکڑے ہر کانٹے میں چھدے پڑے ہیں اس لیے ہر خار میں گل کی اور جنگل میں چمن کی صورت نمایاں ہو گئی ہے۔ غالب کہتا ہے کہ اس صحرائے گلشن نما کی کب تک کوئی باغبانی کرے۔ ۱۲

سلہ جنون سے معاملہ کرنے مین نقصان نہین کیونکہ ہر سنگ و خشت (جو لڑکے دیوانون کو مارتے ہین) گویا ایک صدف ہے جس سے گوہر شکست حاصل ہوتا ہے اس معاملے کی سودمندی کی حقیقت ظاہر ہے
سلہ ایجاد کی طبیعت مین جو وحشت ہے وہ یاس خیز ہے یعنی ہم وحشی طبع لوگ یاس کا ایجاد کیا کرتے ہین اور اس طرح پر گویا مایوس ہونے پر مجبور ہین

ابن مریم ہوا کرے کوئی	میرے دکھ کی دوا کرے کوئی
شرع و آئین پر مدار سہی	سلہ ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی
چال جیسے کڑی کمان کا تیر	دل مین ایسے کے جا کرے کوئی
بات پر وان زبان کٹتی ہے	وہ کہین اور سنا کرے کوئی
بک رہا ہون جنون مین کیا کیا کچھ	کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی
نہ سنو گر برا کہے کوئی	نہ کہو گر برا کرے کوئی
روک لو گر غلط چلے کوئی	بخش دو گر خطا کرے کوئی
کون ہے جو نہین ہے حاجتمند	کس کی حاجت روا کرے کوئی
کیا کیا خضر نے سکندر سے	اب کسے رہنما کرے کوئی

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب
کیون کسی کا گلہ کرے کوئی

سلہ ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی جو بے تلوار کے قتل کرتا ہو اور جس پر شرع بھی جاری [illegible]
حبیب سبب نزاکت [illegible] شرع کا جاری کرنا گویا [illegible] کرتا ہو ۱۲

بہت سہی غم گیتی شراب کم کیا ہے		غلام ساقی کوثر ہون مجھکو غم کیا ہے
تمھاری طرز و روش جانتے ہین ہم کیا ہے	سلہ	رقیب پر ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے

سخن مین خامۂ غالب کی آتش افشانی
یقین ہے ہم کو بھی لیکن اب اس مین دم کیا ہے

سلہ یعنی رقیب پر جو تمہارا التفات ہے وہی مجھ پر ستم ہے ۱۲

باغ پا کر خفقانی یہ ڈراتا ہے مجھے	سایۂ شاخ گل افعی نظر آتا ہے مجھے

جوہر تیغ بسر چشمۂ دیگر معلوم ۵۱
ہون مین وہ سبزہ کہ زہراب اگاتا ہے مجھے

مدعا محو تماشائے شکست دل ہے ۵۲
آئینہ خانہ مین کوئی لیے جاتا ہے مجھے

نالہ سرمایۂ یک عالم و عالم کف خاک ۵۳
آسمان بیضۂ قمری نظر آتا ہے مجھے

زندگی مین تو وہ محفل سے اٹھا دیتے تھے
دیکھون اب مر گئے پر کون اٹھاتا ہے مجھے

۵۱ مطلب یہ ہے کہ جسطرح جوہر تیغ کی نمود تلوار کو زہر آب مین بجھانے سے ہوتی ہے اسی طور پر میری سرشت غم و غصے سے ہے۔ ۱۲

۵۲ حصول مدعا سے دل ٹوٹ گیا تو مدعا دل کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑون کا تماشا دیکھ رہا ہے۔ دل آئینہ تھا جب وہ ٹوٹا تو بہت سے آئینے پیدا ہو گئے اور آئینہ خانہ بن گیا (مولوی علی حیدر صاحب)

۵۳ قمری کا رنگ خاکی ہوتا ہے اس لیے آسمان کو بیضۂ قمری کہا جسمین ایک مشت خاک کے سوا (یعنے عالم کے سوا) جسے ارلحن کلی سکتے ہین اور کچھ نہین ہے۔ ۱۲

روندی ہوئی ہے کوکبۂ شہریار کی
اترائے کیون نہ خاک سر رہگذار کی

جب اسکے دیکھنے کے لیے آئین بادشاہ
لوگون مین کیون نمود نہ ہو لالہ زار کی

بھوکے نہین ہین سیر گلستان کے ہم ولے
کیونکر نہ کھائیے کہ ہوا ہے بہار کی

ہزارون خواہشین ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

ڈرے کیون میرا قاتل کیا رہیگا اسکی گردن پر
وہ خون جو چشم تر سے عمر بھر یون دمبدم نکلے

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے ہین لیکن
بہت بے آبرو ہوکر ترے کوچے سے ہم نکلے

بھرم کھل جائے ظالم تیری قامت کی درازی کا
اگر اس طرۂ پر پیچ و خم کا پیچ و خم نکلے

مگر لکھوائے کوئی اسکو خط تو ہم سے لکھوائے سلہ
ہوئی صبح اور گھر سے کان پر رکھ کر قلم نکلے

ہوئی اس دور مین منسوب مجھ سے بادہ آشامی
پھر آیا وہ زمانہ جو جہان مین جام جم نکلے

ہوئی جن سے توقع خستگی کی داد پانے کی
وہ ہم سے بھی زیادہ خستۂ تیغ ستم نکلے

محبت مین نہین ہے فرق جینے اور مرنے کا
اسی کو دیکھ کر جیتے ہین جس کافر پہ دم نکلے

کہان میخانے کا دروازہ غالب اور کہان واعظ
پر اتنا جانتے ہین کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

لہ مگر لکھوائے کوئی اس کو خط تو ہم سے لکھوائے" اور ہم اس کا مضمون معلوم کر لیں کہ لوگ اُسے کیا لکھوا لیتے ہیں۔ ۱۲

کوہ کے ہوں بارِ خاطر گر صدا ہو جائیے بیضہ آسا ننگِ بال و پر ہے یہ کنجِ قفس	سلہ	بے تکلف اے شرارِ جستہ کیا ہو جائیے از سرِ نو زندگی ہو گر رہا ہو جائیے

سلہ شرار سے پوچھتا ہے کہ اگر ہم صدا ہو جائیں گے تو بھی "کوہ کے بارِ خاطر ہوں گے" پھر ہم کو کیا ہو جانا چاہیے اور اس انداز سوال سے یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ میں بھی شرر کے مانند بے تکلف دم بھر میں جل بجھ کر فنا ہو جانا چاہتا ہوں۔ ۱۲ صدا کا کوہ کے بارِ خاطر ہونا اس طرح پر نکلتا ہے کہ آواز پہاڑ سے ٹکرا کر واپس چلی آتی ہے پہلے مصرعے میں "ہوں" کے ساتھ "ہو جائیے" درست نہیں ہے۔ ۱۲

مستی بہ فرقِ غفلتِ ساقی ہلاک ہے جز زخمِ تیغِ ناز نہیں دل میں آرزو	سلہ	موجِ شراب یک مژہ خوابناک ہے جیبِ خیال بھی ترے ہاتھوں سے چاک ہے

سلہ	جوشِ جنوں سے کچھ نظر آتا نہیں اسدؔ صحرا ہماری آنکھ میں یک مشتِ خاک ہے

سلہ موجِ شراب کو چشمِ ساغر کی مژہ خواب آلود قرار دیا اور اس کی خوابناکی کا سبب بتایا کہ مستی شراب کو بھی ساقی کی ادائے تغافل نے مست بے خود بنا رکھا ہے۔ ۱۲

سلہ "کچھ نظر آتا نہیں" یعنی بے حقیقت نظر آتا ہے۔ ۱۲

لبِ عیسیٰ کی جنبش کرتی ہے گہوارہ جنبانی	سلہ	قیامت کشتۂ لعلِ بتاں کا خوابِ سنگیں ہے
آمدِ سیلابِ طوفانِ صدائے آب ہے بزمِ مے وحشت کدہ ہے کس کی چشمِ مست کا	سلہ سلہ	نقشِ پا جو کان میں رکھتا ہے انگلی جادہ سے شیشے میں نبضِ پری پنہاں ہے موجِ بادہ سے

لہ لبِ عیسیٰ کی جنبش سے مردے جی اٹھتے ہیں لیکن لبِ لعلِ خوباں کے کشتوں کی نیند ایسی سخت ہے کہ اس سے بجائے زندہ ہونے کے ان کی غفلت اور بھی بڑھتی جاتی ہے۔ ۱۲

سلہ نقشِ پا صورت میں کان سے اور جادہ بسبب اپنی انگلی کے مشابہ ہوتا ہے گویا شورِ طوفان کی وجہ سے جادہ نے کان میں انگلی دے لی ہے۔

سلہ بزمِ مے اس کی چشمِ مست کے اثر سے یکسر وحشت کدہ بن گئی ہے۔ یہاں کی ہر چیز سے وحشت ٹپکتی ہے

مثلاً شیشے مین بصورت موج بادہ گویا نبض پری پنہان ہی موج بادہ کو نبض پری سے مشابہ کرکے اس کی وحشت کا اظہار کیا ہی۔ ۱۲

ہون مین بھی تماشائی نیرنگ تمنا ۱؎ مطلب نہین کچھ اس سے کہ مطلب ہی بر آوے

۱؎ یعنی مین تمنا اس لیے نہین کرتا ہون کہ وہ پوری ہی ہو بلکہ محض اس غرض سے کہ دیکھون [illegible] کیا کیفیت ہے۔

سیاہی جیسے گر جاوے دم تحریر کاغذ پر
مری قسمت مین یون تصویر ہے شبہاے ہجران کی

ہجوم نالہ حیرت عاجز عرض یک افغان ہے ۱؎
خموشی ریشۂ صد نیستان سے خس بدندان ہے

تکلف برطرف ہی جانستان تر لطف بدخویان
نگاہ بے حجاب ناز تیغ تیز عریان ہے

ہوئی یہ کثرت غم سے تلف کیفیت شادی
کہ صبح عید مجھکو بدتر از چاک گریبان ہے

دل و دین نقد لا ساقی سے گر سودا کیا چاہے ۲؎
کہ اس بازار مین ساغر متاع دستگردان ہے

غم آغوش بلا مین پرورش دیتا ہے عاشق کو ۳؎
چراغ روشن اپنا قلزم صرصر کا مرجان ہے

۱؎ حیرت عاجز یعنی عاجز حیرت۔ ہجوم نالہ اس بات سے عاجز ہی کہ حیرت کی وجہ سے آہ و فغان ناممکن ہی چنانچہ خموشی جو لازم حیرت ہی اس عجز کا اظہار کر رہی ہے۔ ۱۲ خس بدندان ہونے سے اظہار عجز مراد ہے اور ریشہ نیستان اس لحاظ سے آیا ہی کہ نیستان کی بھی بعینہٖ یہی حالت ہوتی ہے کہ باوجودیکہ اس سے ہزارون بانسلیان بن سکتی ہین اور اس لیے اس کو لاکھون نالہاے ناکشیدہ کا مجمع کہہ سکتے ہین لیکن بصورت ظاہر ریشہاے نیستان مشابہ بہ خس ہوتے ہین اور خموشی نیستان خس بدندان نظر آتی ہی۔

۲؎ متاع دستگردان نقد ہوا کرتی ہی ۱۲ ساغر کے لیے دستگردان کا لفظ خوب ہے۔

۳؎ قلزم صرصر کا مرجان ہی یعنی آغوش بلا مین تربیت پاتا ہو ۱۲ جس طرح مرجان کی پرورش سمندر مین ہوتی ہے۔

خموشیون مین تماشا ادا نکلتی ہے ۱؎
نگاہ دل سے ترے سرمہ سا نکلتی ہے

فشار تنگی خلوت سے بنتی ہے شبنم ۲؎
صبا جو غنچے کے پردے مین جا نکلتی ہے

نہ پوچھ سینۂ عاشق سے آب تیغ نگاہ ۳؎
کہ زخم روزن در سے ہوا نکلتی ہے

۱؎ تماشا ادا یعنی انداز تماشا دکھانے والی پنہان تماشا و نگاہ کی صفت ہی سرمہ سا کھا لینے سے

چونکہ آواز بیٹھ جاتی ہے اس لیے مصرعے کو خاموشی سے ایک قسم کا تعلق سمجھکر غالب نے نگاہِ یار کی نسبت کہا
کہ وہ اس کے دل ہی سے بر بنائے خاموشی سرمہ آلودہ ہوکر نکلتی ہے۔ ۱۲ واللہ اعلم

سے غنچے کو تنگیِ خلوت کے فشار سے جو پسینہ آجاتا ہے اسی کا نام شبنم ہے۔ ۱۲

سے جس دردانے سے دیکھا نکلتا ہے اس میں روزنِ دیوار بلکہ تیغِ نگاہ نے زخم ڈال دیا ہے اور زخم
بھی ایسا گہرا جبین سے ہوا نکلتی ہے پھر سینۂ عاشق کی کیا حقیقت ہے جس زخم سے ہوا نکلنے اور سانس نیچے
لگے وہ ضرور مہلک ہوتا ہے (تشریح مولوی علی حیدر صاحب)

جس جا نسیم شانہ کشِ زلفِ یار ہے	سلہ	نافہ دماغِ آہوئے دشتِ تتار ہے	
کس کا سراغِ جلوہ ہے حیرت کو اے خدا	سلہ	آئینہ فرشِ شش جہتِ انتظار ہے	
ہے ذرہ ذرہ تنگیِ جا سے غبارِ شوق	سلہ	گر دام یہ ہے وسعتِ صحرا شکار ہے	
دل مدعی و دیدہ بنا مدعا علیہ		نظارے کا مقدمہ پھر روبکار ہے	
چھڑکے ہے شبنم آئینۂ برگِ گل پر آب	سلہ	اے عندلیب وقتِ وداعِ بہار ہے	
پچ آ پڑی ہے وعدۂ دلدار کی مجھے		وہ آئے یا نہ آئے پہ یاں انتظار ہے	
بے پردہ سوئے وادیِ مجنوں گزر نہ کر		ہر ذرے کے نقاب میں دل بیقرار ہے	
اے عندلیب یک کفِ خس بہرِ آشیاں		طوفانِ آمد آمدِ فصلِ بہار ہے	
دل مت گنوا خبر نہ سہی سیر ہی سہی		اے بے دماغ آئینہ تمثال دار ہے	

شہ	غفلت کفیلِ عمر و اسد ضامنِ نشاط اے مرگِ ناگہاں تجھے کیا انتظار ہے	

سلہ نسیم سے بوئے زلف لیکر آہوئے تتار کا دماغ نافہ بن گیا ہے۔ ۱۲

سلہ دیارِ انتظار میں ہر طرف آئینے کا فرش کس کے لیے کیا گیا ہے یعنی حیرت کو کسکے جلوے کا انتظار ہے۔

سلہ تنگیِ جا کی وجہ سے غبارِ شوق سمٹکر اور بھی ذرہ ذرہ ہوگیا ہے یہ ذرے پھیل کر دام بن جائیں گے اور
وسعتِ صحرا اس دام کا شکار ہوگی یعنی وہ دام تمام صحرا پر چھا جائے گا۔ ۱۲

سلہ اس زمانہ میں یہ ایک رسم تھی کہ آئینے پر پانی چھڑکتے ہیں تاکہ مسافر بخیریت واپس آ سکے۔

شہ غفلت کی یہ حالت تھی کہ کبھی عمر کے ختم ہونے کا خیال ہی نہیں آتا اور پھر یہ یقین کہ ہمیشہ عیش و عشرت رہیگی

مین گذرے کی لین جیسا کہ مانی تباہی یہ اسباب موجود ہین پہر اب کیا تاوان کو [illegible] ۱۲

آئینہ کیون نہ دون کہ تماشا کہین جسے		ایسا کہان سے لاؤن کہ تجھ سا کہین جسے
حسرت نے لا رکھا تری بزم خیال مین	؎١	گلدستۂ نگاہ سویدا کہین جسے
پھونکا ہے کس نے گوش محبت مین اے خدا		افسون انتظار تمنا کہین جسے
سر پر ہجوم درد غریبی سے ڈالیے		وہ ایک مشت خاک کہ صحرا کہین جسے
ہے چشم تر مین حسرت دیدار سے نہان		شوق عنان گسیختہ دریا کہین جسے
درکار ہے شگفتن گلہاے عیش کو	؎٢	صبح بہار پنبۂ مینا کہین جسے

غالب برا نہ مان جو واعظ برا کہے
ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہین جسے

؎١ حسرت نے تیری بزم خیال مین (میرے دل مین) ایک گلدستہ نگاہ لا رکھا جس کو سب سویدا کہتے ہین مطلب یہ کہ سویدا گویا حسرت بھری نگاہون کا ایک گلدستہ ہے ۱۲

؎٢ گلہاے عیش کے کھلنے کے لیے پنبۂ مینا صبح بہار کا کام دیتا ہے سپیدی پنبہ کو سپیدۂ صبح سے مشابہ کیا ہے ۱۲

شبنم بہ گل لالہ نہ خالی ز ادا ہے	؎١	داغ دل بیدرد نظرگاہ حیا ہے
دل خون شدۂ کشمکش حسرت دیدار	؎٢	آئینہ بدست بت بدمست حنا ہے
شعلے سے نہ ہوتی ہوس شعلہ نے جو کی	؎٣	جی کس قدر افسردگی دل پہ جلا ہے
تمثال مین تیری ہے وہ شوخی کہ بصد ذوق	؎٤	آئینہ بانداز گل آغوش کشا ہے
قمری کف خاکستر و بلبل قفس رنگ	؎٥	اے نالہ نشان جگر سوختہ کیا ہے
خو نے تری افسردہ کیا وحشت دل کو	؎٦	معشوقی و بیحوصلگی طرفہ بلا ہے
مجبوری و دعواے گرفتاری الفت	؎٧	دست تہ سنگ آمدہ پیمان وفا ہے
معلوم ہوا حال شہیدان گذشتہ	؎٨	تیغ ستم آئینۂ تصویر نما ہے
اے پرتو خورشید جہان تاب ادھر بھی		سایے کی طرح ہم پہ عجب وقت پڑا ہے
ناکردہ گناہون کی بھی حسرت کی ملے داد	؎٩	یارب اگر ان کردہ گناہون کی سزا ہے
بیگانگی خلق سے بیدل نہ ہو غالب		کوئی نہین تیرا تو مری جان خدا ہے

۱؎ گل لالہ پر شبنم کے قطرات نہیں بلکہ عرق شرم ہو۔ لالے کو شرم اس بات کی ہو کہ اس کے دل میں داغ تو ہو لیکن درد نہیں ہو ۱۲ مذہب عشق میں داغ بے درد کا موجب شرم ہونا مسلم ہے۔

۲؎ دل اور آئینے کی رسائی قسمت کا مقابلہ کرتا ہو ایک ہمارا دل ہو جو خون شدۂ کشمکش حسرت دیدار ہے اور ایک آئینہ ہو جو اس بت بدست حنا کے ہاتھ میں ہے ۱۲۔ یا یہ کہ دل حسرت دیدار میں خون ہو کر بصورت حنا اسکے ہاتھ میں آئینہ بن گیا ہو ۱۲

۳؎ افسردگی دل بڑھی اس قدر جلا ہو کہ سوزش دل سے پتا نہ چلتا۔ پس گویا شعلے سے شوقی الخ

۴؎ تیری تصویر میں کس قدر شوخی و خوبی ہے کہ آئینہ اُس کے لینے کے لیے گُل کے مانند آغوش کھولے ہوئے ہے ۱۲

۵؎ جگر سوختہ کا کوئی نشان سوائے نالے کے باقی نہیں ہو۔ پہلا مصرعہ بطور تمہید لکھا ہے کہ جس طرح قمری عشق سرو میں ایک کف خاکستر اور بلبل عشق گل میں صرف رنگ ہی رنگ رہ جاتی ہو اسی طرح ہمارے جگر سوختہ کا کوئی نشان بجز نالے کے باقی نہیں رہا ہو ۱۲ قفس ہستی سبد

۶؎ بے حوصلگی یہ کہ ہمارا جوش شوق اور وحشت محبوب کو گوارا نہیں ہو حالانکہ مشتاق کا اقتضا یہ تھا کہ ان باتوں کو پسند کرتا ۱۲

۷؎ مصرعۂ ثانی مصرعۂ اول کی مثال ہے۔ مطلب یہ ہو کہ بحالت مجبوری دعوائے محبت ایسا ہی جیسے کسی کا ہاتھ پتھر کے نیچے دبا ہوا اور نکل نہ سکتا ہو لیکن کہنے کو یہ ہو جاتا ہے کہ پیمان وفا نباہا جا رہا ہے ۱۲

۸؎ تیغ ستم کو ایک آئینہ تصویر نما قرار دیا جس میں شہیدان گذشتہ پر جو کچھ جور و ستم گذر گیا ہے اُس کی تصویر پیش نظر ہو جاتی ہو ۱۲

۹؎ جو گناہ ہم سے سرزد ہوئے ہیں اُن کی بابت اگر ہم کو سزا دی جاتی ہے تو جو گناہ بسبب عدم قدرت ہم نہیں کر سکے اور جن کی حسرت دل میں رہ گئی اُن کی داد بھی ملنا چاہیے۔ داد یہ کہ اُن ناکردہ گناہوں کے کرنے کی قدرت بھی عطا ہو ۱۲

منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی	۱؎	قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی
اک خونچکاں کفن میں کروڑوں بناؤ ہیں		پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حور کی
واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو		کیا بات ہے تمہاری شراب طہور کی

اڑتا ہے مجھسے حشر میں قاتل کہ کیوں اٹھا ۵۲ گویا ابھی سنی نہیں آواز صور کی

آمد بہار کی ہے جو بلبل ہے نغمہ سنج اڑتی سی اک خبر ہے زبانی طیور کی

گو واں نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں کعبے سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی

گرمی سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر کی جس سے بات اس نے شکایت ضرور کی

غالب گر اس سفر میں مجھے ساتھ لے چلیں
حج کا ثواب نذر کروں گا حضور کی

۵۱ تجلی نور کو اپنے اظہار کے لیے تیری شکل منظور تھی یعنی وہ تیری شکل میں ظاہر ہونا چاہتی تھی تیرے قد و رخ سے ظہور کی قسمت کھلی کہ اب ان میں تجلی نور ظاہر ہوئی - ۱۲

۵۲ اڑتا ہے یعنی اس بات پر کہ ہمارا کشتہ ہو کر آواز صور پر کیوں اٹھا - ۱۲

غم کھانے میں بودا دل ناکام بہت ہے یہ رنج کہ کم ہے مے گلفام بہت ہے

کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے ورنہ ہے یوں کہ مجھے درد تہ جام بہت ہے

نے تیر کماں میں ہے نہ صیاد کمیں میں گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے

کیا زہد کو مانوں کہ نہ ہو گرچہ ریائی پاداش عمل کی طمع خام بہت ہے

ہیں اہل خرد کس روش خاص پہ نازاں ۵۳ پابستگی رسم و رہ عام بہت ہے

زمزم ہی پہ چھوڑو مجھے کیا طوف حرم سے آلودہ بہ مے جامۂ احرام بہت ہے

ہے قہر گر اب بھی نہ بنے بات کہ ان کو انکار نہیں اور مجھے ابرام بہت ہے

خوں ہو کے جگر آنکھ سے ٹپکا نہیں اے مرگ رہنے دے مجھے یاں کہ ابھی کام بہت ہے

ہوگا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے
شاعر تو وہ اچھا ہے پہ بدنام بہت ہے

۵۳ اہل خرد رہ و رسم عام کے پابند ہیں کس روش خاص پر ناز کرتے ہیں انہوں نے کسی ہی کا نام روش خاص ہو -

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کیے ہوئے ۵۴ جوش قدح سے بزم چراغاں کیے ہوئے

کرتا ہوں جمع پھر جگر لخت لخت کو عرصہ ہوا ہے دعوت مژگاں کیے ہوئے

پھر وضع احتیاط سے رکنے لگا ہے دم
برسون ہوے ہین چاک گریبان کیے ہوئے

پھر گرم نالہ ہاے شرربار ہے نفس
مدت ہوئی ہے سیر چراغان کیے ہوئے[1]

پھر پرسش جراحت دل کو چلا ہے عشق [2]
سامان صد ہزار نمکدان کیے ہوے

پھر بھر رہا ہون خامۂ مژگان بخون دل [3]
ساز چمن طرازی دامان کیے ہوے

باہم دگر ہوے ہین دل و دیدہ پھر رقیب
نظارہ و خیال کا سامان کیے ہوے

دل پھر طواف کوے ملامت کو جاے ہے [4]
پندار کا صنم کدہ ویران کیے ہوے

پھر شوق کر رہا ہے خریدار کی طلب
عرض متاع عقل و دل و جان کیے ہوے

دوڑے ہے پھر ہر ایک گل و لالہ پر خیال
صد گلستان نگاہ کا سامان کیے ہوے

پھر چاہتا ہون نامۂ دلدار کھولنا
جان نذر دلفریبی عنوان کیے ہوے

مانگے ہے پھر کسی کو لب بام پر ہوس
زلف سیاہ رخ پہ پریشان کیے ہوے

چاہے ہے پھر کسی کو مقابل مین آرزو
سرمے سے تیز دشنۂ مژگان کیے ہوے

اک نوبہار ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ
چہرہ فروغ مے سے گلستان کیے ہوے

پھر جی مین ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہین
سر زیر بار منت دربان کیے ہوے

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن
بیٹھے رہین تصور جانان کیے ہوے

غالب ہمین نہ چھیڑ کہ پھر جوش اشک سے
بیٹھے ہین ہم تہیۂ طوفان کیے ہوے

[1] یعنی شراب روشن کا ہر ایک جام گویا چراغ تھا ۱۲
[2] یعنی عشق پھر زخم دل پر نمک چھڑکنے چلا ہے ۱۲
[3] مژگان کا قلم ہے اور خون دل کی روشنائی جس سے صفحۂ دامن پر گل کاریان ہونگی ۔۱۲
[4] پندار یعنی خودداری یعنی خودداری کو ترک کر کے اب دل پھر کوے ملامت کو جاے ہے ۱۲

نوید امن ہے بیداد دوست جان کے لیے [1]
رہی نہ طرز ستم کوئی آسمان کے لیے

بلا سے گر مژۂ یار تشنۂ خون ہے
رکھون کچھ اپنی بھی مژگان خونفشان کے لیے

وہ زندہ ہم ہین کہ ہین روشناس خلق اے خضر
نہ تم کہ چور بنے عمر جاودان کے لیے

رہا بلا مین بھی مین مبتلاے آفت رشک ۲ه | بلاے جان ہے ادا تیری اک جہان کے لیے
فلک نہ دور رکھ اس سے مجھے کہ مین ہی نہین | دراز دستی قاتل کے امتحان کے لیے
مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغ اسیر | کرے قفس مین فراہم خس آشیان کے لیے
گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئے ۳ه | اٹھا اور اٹھ کے قدم مین نے پاسبان کے لیے
بقدر شوق نہین ظرف تنگناے غزل | کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیان کے لیے
دیا ہے خلق کو بھی تا اُسے نظر نہ لگے | بنا ہے عیش تجمل حسین خان کے لیے
زبان پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا | کہ میرے نطق نے بوسے مری زبان کے لیے
نصیر دولت و دین اور معین ملت و ملک | بنا ہے چرخ برین جسکے آستان کے لیے
زمانہ عہد مین اس کے ہے محو آرائش ۴ه | بنین گے اور ستارے اب آسمان کے لیے
ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے | سفینہ چاہیے اس بحر بیکران کے لیے

ادائے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا
صلاے عام ہے یاران نکتہ دان کے لیے

۱ه بیداد دوست نے کوئی ستم آسمان کے لیے باقی نہین رکھا اس لیے اب جان جور آسمان سے بے خوف ہوگئی ہے ۱۲

۲ه رشک اس بات کا کہ ادا تیری بلا سہی لیکن وہ دوسرون کے لیے بلاے جان بھی کیون ہو ۱۲

۳ه یعنی پہلے وہ گدا سمجھ کے خاموش تھا لیکن میری جو شامت آئی تو مین اس کے قدمون پر گر پڑا جس سے وہ مجھ کو جان گیا اور مجھے اپنے روبرو نہ رہنے دیا ۱۲

۴ه تجمل حسین خان کے نام مین تجمل کی رعایت سے کہا کہ اسکے زمانے مین ایسا اہتمام آرائش مین مصروف ہو رہا ہے عجب ہے کہ زہرہ و مشتری کی طرح اب آسمان کے لیے اور ستارے بھی بن جائین ۱۲ فقط

تمام شد

آغاز قصائد

قصیدۂ اول

"در منقبت"

ساز یک ذرہ نہیں فیض چمن سے بیکار	۱	سایۂ لالۂ بیداغ سویدائے بہار
مستی باد صبا سے ہے بہ عرض سبزہ	۲	ریزۂ شیشۂ مے جوہر تیغ کہسار
سبز ہے جام زمرد کی طرح داغ پلنگ	۳	تازہ ہے ریشۂ نارنج صفت روئے شرار
مستی ابر سے گلچین طرب ہے حسرت	۴	کہ اس آغوش میں ممکن ہے دو عالم کا فشار
کوہ و صحرا ہمہ معموری شوق بلبل	۵	راہ خوابیدہ ہوئی خندۂ گل سے بیدار
سونپے ہے فیض ہوا صورت مژگان یتیم	۶	سرنوشت دو جہان ابر بہ یک سطر غبار
کاٹ کر پھینکیے ناخن تو بانداز ہلال	۷	قوت نامیہ اس کو بھی نہ چھوڑے بیکار
کف ہر خاک بہ گردون شدہ قمری پرواز	۸	دام ہر کاغذ آتش زدہ طاؤس شکار
میکدے مین ہو اگر آرزوے گل چینی	۹	بھول جا یک قدح بادہ بہ طاق گلزار
موج گل ڈھونڈھ بہ خلوتکدۂ غنچۂ باغ	۱۰	گم کرے گوشۂ میخانہ مین گر تو دستار
کھینچے گر مانی اندیشہ چمن کی تصویر		سبز مثل خط نوخیز ہو خط پرکار
لعل سی کی ہے پئے زمزمۂ مدحت شاہ	۱۱	طوطی سبزۂ کہسار نے پیدا منقار
وہ شہنشاہ کہ جس کی پئے تعمیر سرا		چشم جبریل ہوئی قالب خشت دیوار
فلک العرش ہجوم خم دوش مزدور	۱۲	رشتۂ فیض ازل ساز طناب معمار
سبزۂ نہ چمن و یک خط پشت لب بام	۱۳	رفعت ہمت صد عارف و یک اوج حصار
وان کی خاشاک سے حاصل ہو جسے یک پر کاہ		وہ رہے مروحۂ بال پری سے بیزار
خاک صحراے نجف جوہر سیر عرفا	۱۴	چشم نقش قدم آئینۂ بخت بیدار

ذرہ اس گرد کا خورشید کو آئینۂ ناز ۔۔ ۱۵ ۔۔ گرد اس دشت کی امید کو احرام بہار

آفرینش کو ہے واں سے طلب مستی ناز ۔۔ ۱۶ ۔۔ عرض خمیازۂ ایجاد ہے ہر موج غبار

مطلع ثانی

فیض سے تیرے ہے اے شمع شبستان بہار ۔۔ ۱۷ ۔۔ دل پروانہ چراغان پر بلبل گلزار

شکل طاؤس کرے آئینہ خانہ پرواز ۔۔ ۱۸ ۔۔ ذوق میں جلوے کے تیرے بہوائے دیدار

تیری اولاد کے غم سے ہے بروئے گردون ۔۔ ۱۹ ۔۔ سلک اختر میں مہ نو مژۂ گوہر بار

ہم عبادت کو ترا نقش قدم مہر نماز ۔۔ ۲۰ ۔۔ ہم ریاضت کو ترے حوصلے سے استظہار

مدح میں تیری نہاں زمزمۂ نعت نبی ۔۔ جام سے تیرے عیاں بادۂ جوش اسرار

جوہر دست دعا آئینہ یعنی تاثیر ۔۔ ۲۱ ۔۔ یک طرف نازش مژگان و دگر سو غم خار

مردمک سے ہو عزا خانۂ اقبال نگاہ ۔۔ ۲۲ ۔۔ خاک در کی تری جو چشم نہ ہو آئینہ دار

دشمن آل نبی کو بطرب خانۂ دہر ۔۔ عرض خمیازۂ سیلاب ہو طاق دیوار

دیدہ تا دل اسدؔ آئینۂ یک پرتو شوق
فیض معنی سے خط ساغر راقم سرشار

کہتا ہے کہ فیض سے چمن کا ایک ذرہ بھی بیکار نہیں ہے حتی کہ لالے کا [illegible] دل کا سویدا ہونے کا رہین ہے ۱۲

کہسار کو تیغ قرار دیا اور سبزہ کہسار کو جوہر تیغ پھر اس جوہر تیغ کی تیزی کی توجیہ اسطرح کی کہ صبا کی مستی کے اثر سے سبزہ گویا ریزہ مینا سے بن گیا ہے ۱۲ لطف یہ ہے کہ قلعہ کوہ کو تیغ کوہ کہتے بھی ہیں۔

تاثیر بہار کا ذکر کرتا ہے کہ چیتے کے سیاہ داغ جام زمرد کے مانند سبز ہو گئے ہیں اور شیر کا پنجہ شاخ کی طرح تازہ ہو گیا ہے ۱۲

مستی اپنے حسرت کش طرب اندوز ہو رہی ہے یعنی اس لیے کہ اس کیفیت میں غمہائے عالم کا فراموش ہو جانا ممکن ہے۔

۵ه ماہین جو گویا سوئی ہوئی تھیں یعنی چمن پر کسی کا گذر نہ ہوتا تھا اب وہ پھولوں کے چٹکنے اور کھلنے سے گویا بیدار ہو گئی ہیں۔ اور کثرت گل کی بنا پر کوہ و صحرا بلبلوں کے ہجوم شوق سے معمور ہیں۔

۶ه جسطرح یتیم کی مژگان خاک آلودہ سے مدتوں دریائے اشک جاری رہتا ہو اسی طرح فیض ہوا سے آج کل آسمان پر جو ذرا سا بھی غبار نظر آتا ہو اس میں تا بر کثیر کی سی قابلیت بارش ہوتی ہو۔ ۱۲

۷ه قوت نامیہ کا یہ اثر ہو کہ اگر ناخن کاٹ کر پھینکا جاسے تو وہ ہلال کی طرح بڑھکر بدر ہو جائے ۱۲۔

۸ه کہتا ہو کہ بہار نے گویا ہر شے میں جان ڈالدی ہو ہر کف خاک قمری بن گئی ہو اور ہر کاغذ آتش زدہ کا دام طاؤس کا شکار کرتا ہو یعنی خود بصورت طاؤس ہو جاتا ہو "بگرد ون شدہ" خاک کی صفت ہو اس کو قمری کہا کیونکہ اس کا رنگ بھی خاکی ہوتا ہو کاغذ کو آگ دکھانے سے اسمین بہت سے نقطہاے روشن پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ دام طاؤس سے مشابہ ہو جاتا ہو۔

۹ه اگر تجھکو میکدے میں گل چینی کی آرزو ہو تو طاق گلزار میں ایک قدح شراب کا رکھکر بھول جا نشوونماے بہار کے اثر سے اُس ایک قدح کے ہزاروں قدح ہو جائینگے اور گلزار میں میکدہ پیدا ہو جائیگا۔ ۱۲

۱۰ه یعنی ہواے بہار کی تاثیر گوشۂ میخانہ کو غنچۂ باغ خلوت کدہ یعنی گوشۂ باغ اور دستار کو موج گل بنادے گی۔ ۱۲

۱۱ه سبزہ کو بہار کو طوطی اور پہاڑوں سے جو لعل نکلتا ہو اُس کو منقار طوطی قرار دے کر کہتا ہے کہ طوطی صبح منقار تیری مدحت سرائی کے لیے پیدا ہوئی ہے۔

۱۲ه اس قصر کی تعمیر کے لئے عرش گویا دوش مزدور کا خم ہو اور رشتۂ فیض ازل گویا معمار کی ڈوری ہو جس سے وہ دیوار کی کجی و راستی کا اندازہ کرتا ہو۔ ۱۲

۱۳ه یعنی ممدوح کی پشت لب بام کا ایک خط سبزۂ تہ چمن کے برابر ہو اور اسکا حصار عادت کی ہمت کے برابر بلند ہو سبزۂ تہ چمن استعارہ تو آسمانوں سے ہو اور حرف عطف دونوں مصرعوں میں مساوات کے لیے ہو۔

۱۴ه بحالت زیارت نجف صحراے نجف کی خاک عارفوں کی سیر کا جوہر ہوتی ہو اور اس خاک پر جو نقش قدم پیدا ہوتے ہیں وہ گویا آئینے ہوتے ہیں جسمیں بخت بیدار کی صورت نظر آتی ہو۔ ۱۲

۱۵ه گرد نجف کا ہر ذرہ آفتاب کے لیے آئینہ ناز ہو اور دشت نجف کی گرد نسبت جنت کی وجہ سے امید کے لیے فصل بہار کا جامۂ احرام ہے ۱۲

۱۶ ایجاد کو اس خاک پاک کی آفرینش پر ناز ہو یعنی نجف کی ہر موج غبار گویا آفرینش و ایجاد کی انگڑائی ہو جسکے ذریعہ وہ بہ زبان حال یہ ظاہر کرتے ہین کہ ہمکو اس شراب تخمیر و ناز (یعنی نازِ ایجاد نجف) کی پھر خواہش ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس سرزمین کو پیدا کرکے آفرینش کو بار بار ناز ہوتا ہو۔۱۲

۱۷ تیرے فیض نے پروانے کے دل کو چراغان اور بلبل کے پرون کو گلزار بنا دیا ہو۔ یعنی ہر ایک کے مقاصد حاصل ہو گئے ہین ۱۲

۱۸ یعنی آئینہ خانہ تیرے جلوے کے ذوق اور تیرے دیدار کی خواہش مین مثلِ طاؤس پرواز کرتا ہو۔ ۱۲

۱۹ حسنین علیہما السلام کے غم مین مہ نو کو تیرہ اور ستارون کو سلک اشک قرار دیا۔۱۲

۲۰ تیرا نقش پا عبادت کے لیے سجدہ گاہ ہو اور ریاضت کو تیرے حوصلے کی مثال سے تقویت حاصل ہوتی ہو۔۱۲

۲۱ دست دعا کو آئینہ اور تاثیر کو اس آئینے کا جوہر قرار دے کر کہتا ہو کہ یہ تاثیر دعا مژگان خون فشان کے لیے مایۂ نازش ہو اور خار حسرت کے لیے موجب ملال۔ مطلب یہ ہو کہ تیری دعا ہمیشہ قبول ہوتی ہے اور اس لیئے اس کی تاثیر مژگان کے لیے (جو قبولیت دعا کے لیے خون فشان رہتی ہے) باعثِ ناز اور خارِ غم کے لیے موجب ملال ہے۔

۲۲ جو آنکھ تیرے خاک در کی آئینہ دار نہو وہ اقبال نگاہ کا عزا خانہ ہو جاے ۱۲۔ اقبال نگاہ سے بحث سندری کا سگاری نگاہ مراد ہو۔ مطلب یہ ہو کہ اس آنکھ کو کبھی کامگاری نگاہ نصیب نہ ہو۔ مردمک چشم کی سیاہی کے لحاظ سے آنکھ کو عزا خانۂ اقبال نگاہ کہا۔۱۲

۲۳ دشمن آل نبی کے حق مین طرب خانۂ دہر کا ہر طاق دیوار عوض خمیازۂ سیلاب ہو جاے یعنی کبھی اس کو خوشی نصیب نہو۔۱۲۔ طاق مین جو خم ہوتا ہے اس کی بنا پر اُسے خمیازہ سیلاب سے مشابہ کیا ہے۔

۲۴ آنکھ سے لیکر دل تک سراپا شوق کا آئینہ ہے اور فیض معنی سے تم حروف کا ساغر سرشار ہو یعنی مین سراپا شوق ہون اور فیض منقبت علی سے میری تحریر لبریز ہو۔۱۲

قصیدہ

دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں
ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خودبیں

بیدلی ہائے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق
بیکسی ہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں

ہرزہ ہے نغمۂ زیر و بم ہستی و عدم
لغو ہے آئینۂ فرق جنون و تمکیں

نقش معنی ہمہ خمیازۂ عرض صورت
سخن حق ہمہ پیمانۂ ذوق تحسیں

لاف دانش غلط و نفع عبادت معلوم
درد یک ساغر غفلت ہے چہ دنیا و چہ دیں

مثل مضمون وفا باد بدست تسلیم
صورت نقش قدم خاک بہ فرق تمکیں

عشق بے ربطی شیرازۂ اجزائے حواس
وصل زنگار رخ آئینۂ حسن یقیں

کوہکن گرسنہ مزدور طربگاہ رقیب
بے ستوں آئینۂ خواب گران شیریں

کس نے دیکھا نفس اہل وفا آتش خیز
کس نے پایا اثر نالۂ دلہائے حزیں

سامع زمزمۂ اہل جہاں ہوں لیکن
نہ سر و برگ ستائش نہ دماغ نفریں

کس قدر ہرزہ سرا ہوں کہ عیاذاً باللہ
یک قلم خارج آداب وقار و تمکیں

نقش لاحول لکھ اے خامۂ ہذیاں تحریر
یا علی عرض کر اے فطرت وسواس قریں

مظہر فیض خدا جان و دل ختم رسل
قبلۂ آل نبی کعبۂ ایجاد یقیں

ہو وہ سرمایۂ ایجاد جہاں گرم خرام
ہر کف خاک ہو واں گردۂ تصویر زمیں

جلوہ پرداز ہو نقش قدم اس کا جس جا
وہ کف خاک ہے ناموس دو عالم کی امیں

نسبت نام سے اس کی ہے یہ رتبہ کہ رہے
ابداً پشت فلک خم شدۂ ناز زمیں

فیض خلق اس کا ہی شامل ہے کہ ہوتا ہے سدا
بوئے گل سے نفس باد صبا عطر آگیں

برش تیغ کا اس کی ہے جہاں میں چرچا
قطع ہو جائے نہ سر رشتۂ ایجاد کہیں

کفر سوز اس کا وہ جلوہ ہے کہ جس سے ٹوٹے
رنگ عاشق کی طرح رونق بتخانۂ چیں

جاں پناہا دل و جاں فیض رسانا شاہا
وصی ختم رسل تو ہے بفتوائے یقیں

جسم اطہر کو ترے دوش پیمبر منبر
نام نامی کو ترے ناصیۂ عرش نگیں

کس سے ممکن ہے تری مدح بغیر از واجب	۱۵	شعلۂ شمع مگر شمع پہ باندھے آئین
آستان پر ہے ترے جوہر آئینۂ سنگ	۱۶	رقم بندگی حضرت جبریل امین
تیرے در کے لیے اسباب نثار آمادہ		خاکیوں کو جو خدا نے دیے جان و دل و دین
تیری مدحت کے لیے ہیں دل و جان کام و زبان		تیری تسلیم کو ہیں لوح و قلم دست و جبین
کس سے ہو سکتی ہے مداحی ممدوح خدا		کس سے ہو سکتی ہے آرایش فردوس برین
جنس بازار معاصی اسد اللہ اسد		کہ سوا تیرے کوئی اس کا خریدار نہیں
شوخی عرض مطالب میں ہے گستاخ طلب		ہے ترے حوصلۂ فضل پہ از بسکہ یقین
دے دعا کو مری وہ مرتبۂ حسن قبول		کہ اجابت کہے ہر حرف پہ سو بار آمین
غم شبیر سے ہو سینہ یہاں تک لبریز		کہ رہیں خون جگر سے مری آنکھیں رنگین
طبع کو الفت دلدل میں یہ سرگرمی شوق	۱۷	کہ جہاں تک چلے اس سے قدم اور مجھ سے جبین
دل الفت نسب و سینۂ توحید فضا	۱۸	نگہ جلوہ پرست و نفس صدق گزین

صرف اعدا اثر شعلۂ دود دوزخ
وقف احباب گل و سنبل فردوس برین

۱۱ مسئلۂ وحدت وجود کی بنا پر کہتا ہے کہ دنیا کی ہر شے مثبت جلوۂ حق نمودار ہے اگر اس کو اپنا جلوہ خود دیکھنا منظور نہ ہوتا تو کوئی چیز ظہور میں نہ آتی ۔۱۲

۱۲ تماشے یعنی نظارے کی نسبت کہتا ہے کہ وہ اس بے دلی کے ساتھ کیا گیا کہ نہ اس سے ذوق حاصل ہوا نہ عبرت علی ہذا القیاس تمنا کی بیکسی کی نسبت افسوس کرتا ہے کہ وہ نہ صرف دنیا کے متعلق ہے نہ دین کے

۱۳ وجود باری تعالیٰ کے سوا اشیا کے وجود عدم کی نسبت یا جنون و تمکین کے فرق کے متعلق گفتگو کرنا فضول ہے۔

۱۴ نقش معنی گویا عرض صورت کا خمیازہ ہے اور سخن حق گویا ذوق تحسین کا پیمانہ ہے ۔۱۲
مطلب یہ ہے کہ جو لوگ بظاہر معنی کے درپے ہیں وہ درحقیقت اظہار صورت کے خواہشمند ہیں یعنی آج کل معنی شناسی صورت شناسی سے زیادہ نہیں ہے علی ہذا القیاس جو لوگ امر حق کے اظہار میں بیباک نظر آتے ہیں ان کا مطلب بھی صرف یہ ہوتا ہے کہ لوگ ان کی تعریف کریں ۔۱۲

۱۵ معاملات دنیا میں حوصلے دانش غلط اور امور دین میں نفع عبادت کی امید فضول حقیقت

کر دنیا و دین دونون ایک ساغر غفلت کی دُرد ہین ۔۱۲

۶ه دنیا کی ہجو کرتا ہی کہ یہان تسلیم و رضا سے اسی طرح کچھ فائدہ نہین ہوتا جسطرح وفا سے اور تمکین کو اسی طرح سے ذلت حاصل ہوتی ہی جسطرح نقش قدم خاک بسر ہوتا ہی ۔۱۲

۷ه اختلال حواس کا نام عشق ہی ۔ اور وصل زنگار ہے حسن یقین کے آئینے کا یعنی اگر یقین کامل ہوتا تو وصل ظاہر کی ضرورت ہی نہ ہوتی ۔۱۲

۸ه کوہکن کی نسبت کہتا ہے کہ اپنے رقیب خسرو کی عشرت گاہ کا مزدور تھا ۔ یعنی کچھ نہ تھا اور کوہ بے ستون تماثل شیرین کی تصویر تھا ۔

۹ه یعنی دفع وسواس کے لیے یا علی کا ورد کر اور اسکا حول کا نقش کر ۔۱۲ یہان نقش سے تعویذ مراد ہی مثلاً ۸۵ کا نقش ۱۱۰ کا نقش ۔

۱۰ه ایجاد کی رعایت سے کہتا ہی کہ وہ سراپا ایجاد جہان خرام کرے وہان کی ایک مشت خاک سے کرۂ زمین بن سکتا ہی ۔۱۲

۱۱ه ابو تراب کنیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ مین لفظ تراب موجود ہی جسکے معنے خاک کے ہین اور زمین کو خاک سے نسبت ہی پس غالب کہتا ہی کہ اسی نسبت نام کے باعث زمین کے آگے پشت فلک ہمیشہ خم رہتی ہی ۔۱۲

۱۲ه اسکی برش تیغ کے شہرۂ عام سے خوف ہوتا ہی کہ کہین سر رشتۂ ایجاد وآفرینش ہی نہ قطع ہو جائے ۱۲

۱۳ه اس کا جلوہ ایسا کفر کا مٹانے والا ہی جس سے بت خانۂ چین کی رونق رنگ عاشق کی طرح اڑ جائے رنگ کا لوٹنا اور رونق کا لوٹنا دونون فارسی محاورون کے ترجمے ہین ۔۱۲

۱۴ه دل جان فیض رسانا یعنی اے فیض رسان دل و جان ۔

۱۵ه یعنی خدا کے سوا اور کسی سے تیری مدح نہین ہو سکتی شمع کی ثنا آئین سعدی شعلۂ شمع کے سوا اور کون کر سکتا ہے

۱۶ه سنگ آستان ممدوح کو آئینہ ٹھیرا دیا ہی اور اس سنگ در پر حضرت جبریل کی جبین سائی کے جو نشان ہین اُن کو اس آئینے کا جوہر ٹھیرایا ہے ۔۱۲

۱۷ه ”اس سے قدم اور مجھ سے زمین“ فارسی کا ترجمہ یعنی اس کا قدم ہو اور میری جبین ۔۱۲

۱۸ه ”الفت نسب“ دل کی صفت ہے یعنی ایسا دل جسکو الفت سے نسبت ہو علی ہذا القیاس سینۂ توحید فضا یعنی ایسا سینہ جسکی فضا توحید ہو یعنی توحید سے معمور ہو ۱۲

قصیدہ

ہان مہ نو سنین ہم اس کا نام
جس کو تو جھک کے کر رہا ہی سلام

دو دن آیا ہے تو نظر دمِ صبح
یہی انداز اور یہی اندام

بارے دو دن کہان رہا غائب
بندہ عاجز ہے گردشِ ایام

اڑ کے جاتا کہان کہ تارون کا
آسمان نے بچھا رکھا تھا دام

مرحبا اے سرورِ خاصِ خواص
حبذا اے نشاطِ عامِ عوام

عذر مین تین دن نہ آنے کے
لے کے آیا ہے عید کا پیغام

اس کو بھولا نہ چاہیے کہنا
صبح جو جائے اور آئے شام

ایک مین کیا کہ سب نے جان لیا
تیرا آغاز اور ترا انجام

راز دل مجھ سے کیون چھپاتا ہے
مجھ کو سمجھا ہی کیا کہین نمام

جانتا ہون کہ آج دنیا مین
ایک ہی ہے امیدگاہ انام

مین نے مانا کہ تو ہی حلقہ بگوش
غالب اس کا مگر نہین ہی غلام

جانتا ہون کہ جانتا ہے تو
تب کہا ہی بطرزِ استفہام

مہرِ تابان کو ہو تو ہو اے ماہ
قربِ ہر روزہ بر سبیلِ دوام

تجھکو کیا پایہ روشناسی کا
جز بہ تقریبِ عیدِ ماہِ صیام

جانتا ہون کہ اس کے فیض سے تو
پھر بنا چاہتا ہے ماہِ تمام

ماہ بن ماہتاب بن مین کون
مجھکو کیا بانٹ دے گا تو انعام

میرا اپنا جدا معاملہ ہے
اور کے لین دین سے کیا کام

ہے مجھے آرزوئے بخششِ خاص
گر تجھے ہے امیدِ رحمتِ عام

جو کہ بخشے گا تجھکو فرِ فروغ
کیا نہ دے گا مجھے مےِ گلفام

جبکہ چودہ منازلِ فلکی
کر چکے قطع تیری تیزیِ گام

تیرے پرتو سے ہون فروغ پذیر
کوے و مشکوے و صحن و منظر و بام

دیکھنا میرے ہاتھ میں لبریز
اپنی صورت کا اک بلوریں جام

غزل[۳]

پھر غزل کی روش پہ چل نکلا
توسنِ طبع چاہتا تھا لگام

زہرِ غم کر چکا تھا میرا کام
تجھ کو کس نے کہا کہ ہو بدنام

مے ہی پھر کیوں نہ میں پیے جاؤں
غم سے جب ہو گئی ہو زیست حرام

بوسہ کیسا یہی غنیمت ہے[۴]
کہ نہ سمجھیں وہ لذتِ دشنام

کعبے میں جا بجائیں گے ناقوس
اب تو باندھا ہے دیر میں احرام

اس قدح کا ہے دور مجھ کو نقد
چرخ نے لی ہے جس سے گردشِ وام

بوسہ دینے میں ان کو ہے انکار
دل کے لینے میں جن کو تھا ابرام

چھیڑتا ہوں کہ ان کو غصہ آئے
کیوں رکھوں ورنہ غالبؔ اپنا نام

---

۱ ہر مہینے میں چاند دو دن چھپا کرتا ہے۔ اور تیسرے روز پھر نکلا کرتا ہے مثلاً اگر چھبیسویں تاریخ کو چھپتا ہے تو انتیسویں کو اور اگر ستائیسویں کو چھپتا ہے تو پھر تیسویں تاریخ کو نکلتا ہے چنانچہ اسی لحاظ سے اکثر لوگ رمضان کی ۲۹ اور ۳۰ تاریخ کو بوقتِ شام چاند دیکھا کرتے ہیں۔ ان دونوں تاریخوں کا چاند بہت باریک ہوتا ہے۔۱۲

۲ مدح کہا ہے بطرزِ استفہام، یعنی بطورِ استفہامِ انکاری اس طرح پر پوچھا ہے کہ کیا غالب اس کا غلام نہیں ہے یعنی یہ جانتا ہے کہ غالب بھی ممدوح کا غلام ہے۔۱۲

۳ یعنی زہرِ غم سے میرا کام یونہی تمام ہو جاتا تو نے ناحق اپنے سر میرے قتل کا الزام لیا۔۱۲

۴ یعنی اگر وہ یہ جان جائیں گے کہ مجھ کو دشنام میں بھی لذت ملتی ہے تو گالی دینا بھی موقوف کر دیں گے۔

کہہ چکا میں تو سب کچھ اب تو کہہ
اے پری چہرہ پیکِ تیز خرام

کون ہے جس کے در پہ ناصیہ سا
ہیں مہ و مہر و زہرہ و بہرام

تو نہیں جانتا تو مجھ سے سن
نامِ شاہنشہِ بلند مقام

قبلۂ چشم و دل بہادر شاہ
مظہرِ ذوالجلال والاکرام

شہسوارِ طریقۂ انصاف
نوبہارِ حدیقۂ اسلام

جس کا ہر فعل صورت اعجاز — جس کا ہر قول معنی الہام

بزم مین میزبان قیصر و جم — رزم مین اوستاد رستم و سام

اے ترا لطف زندگی افزا — اے ترا عہد فرخی فرجام

چشم بد دور خسروانہ شکوہ — لوحش اللہ عارفانہ کلام

جان نثارون مین تیرے قیصر روم — جرعہ خوارون مین تیرے مرشد جام

وارث ملک جانتے ہین تجھے — ایرج و تور و خسرو و بہرام

زور بازو مین مانتے ہین تجھے — گیو و گودرز و بیژن و رہام

ق مرحبا موشگافی ناوک — آفرین آبداری صمصام

شہ تیر کو تیرے تیر غیر ہدف — تیغ کو تیری تیغ خصم نیام

رعد کا کر رہی ہے کیا دم بند — برق کو دے رہا ہے کیا الزام

تیرے فیل گران جسد کی صدا — تیرے رخش سبک عنان کا خرام

ق فن صورتگری مین تیرا گرز — گر نہ رکھتا ہو دستگاہ تمام

اس کے مضروب کے سر و تن سے — کیون نمایان ہو صورت ادغام

جب ازل مین رقم پذیر ہوئے — صفحہ ہائے لیالی و ایام

اور ان اوراق مین بہ کلک قضا — مجملاً مندرج ہوئے احکام

لکھ دیا شاہدون کو عاشق کش — لکھ دیا عاشقون کو دشمن کام

آسمان کو کہا گیا کہ کہین — گنبد تیز گرد نیلی فام

حکم ناطق لکھا گیا کہ لکھین — خال کو دانہ اور زلف کو دام

آتش و آب و باد و خاک نے لی — وضع سوز و نم و رم و آرام

مہر رخشان کا نام خسرو روز — ماہ تابان کا نام شحنۂ شام

تیری توقیع سلطنت کو بھی — دی بدستور صورت ارقام

کاتب حکم نے بموجب حکم — اس رقم کو دیا طراز دوام

ہے ازل سے روائی آغاز — ہو ابد تک رسائی انجام

سلہ پہلے مصرع مین ممدوح کے تیر کی موشگافی کا ذکر کرتا ہی کہ وہ تیر تیر دشمن کو اپنا نشانہ بناتا ہے اور دوسرے مصرع مین آبداری تیغ کا حال لکھتا ہی کہ وہ تیغ تیغ دشمن کو کاٹ ڈالتی ہے ۱۲

سلہ لف و نشر مرتب ہی یعنی آتش کے لیے سوز، آب کے لیے نم، باد کے لیے رم اور خاک کے لیے آرام آیا ہی۔

قصیدہ

صبح دم دروازۂ خاور کھلا — مہر عالم تاب کا منظر کھلا

خسرو انجم کے آیا صرف مین — شب کو تھا گنجینۂ گوہر کھلا سلہ

وہ بھی تھی اک سیمیا کی سی نمود — صبح کو راز مہ و اختر کھلا

ہین کواکب کچھ نظر آتے ہین کچھ — دیتے ہین دھوکا یہ بازیگر کھلا

سطح گردون پر پڑا تھا رات کو — موتیون کا ہر طرف زیور کھلا

صبح آیا جانب مشرق نظر — اک نگار آتشین رخ سر کھلا

تھی نظر بندی کیا جب رد سحر — بادۂ گل رنگ کا ساغر کھلا

لا کے ساقی نے صبوحی کے لیے — رکھ دیا ہے ایک جام زر کھلا

بزم سلطانی ہوئی آراستہ — کعبۂ امن و امان کا در کھلا

تاج زرین مہر تابان سے سوا — خسرو آفاق کے منھ پر کھلا

شاہ روشن دل بہادر شہ کہ ہے — راز ہستی اس پہ سر تا سر کھلا

وہ کہ جس کی صورت تکوین مین — مقصد نہ چرخ و ہفت اختر کھلا

وہ کہ جس کے ناخن تاویل سے — عقدۂ احکام پیغمبر کھلا

پہلے دارا کا نکل آیا ہے نام — اس کے سرہنگون کا جب دفتر کھلا

روشناسون کی جہان فہرست ہی — وان لکھا ہے چہرۂ قیصر کھلا

ق توسن شہ مین ہی وہ خوبی کہ جب — تھان سے وہ غیرت صرصر کھلا

نقش پا کی صورتین وہ دل فریب — تو کہے بت خانۂ آزر کھلا

مجھ پہ فیض تربیت سے شاہ کے — منصب مہر و مہ و محور کھلا

تھا دل وابستہ قفل بے کلید — کس نے کھولا کب کھلا کیونکر کھلا

لاکھ عقدے دل مین تھے لیکن ہر ایک / میری حدِّ وسع سے باہر کھلا

باغ معنی کی دکھاؤن گا بہار / مجھ سے گر شاہِ سخن گستر کھلا

ہو جہان گرم غزل خوانی نفس / لوگ جانین طبلۂ عنبر کھلا

غزل

کنج مین بیٹھا رہون یون پر کھلا / کاشکے ہوتا قفس کا در کھلا

ہم پکارین اور کھلے یون کون جاے / یار کا دروازہ پاوین گر کھلا

ہم کو ہے اس رازداری پر گھمنڈ / دوست کا ہے راز دشمن پر کھلا

واقعی دل پر بھلا لگتا تھا داغ / زخم لیکن داغ سے بہتر کھلا

ہاتھ سے رکھدی کب ابرو نے کمان / کب کمر سے غمزے کی خنجر کھلا

مفت کا کس کو برا ہے بدرقہ / رہ روی مین پردۂ رہبر کھلا

سوز دل کا کیا کرے باران اشک / آگ بھڑکی مینہ اگر دم بھر کھلا

نامے کے ساتھ آگیا پیغام مرگ / رہ گیا خط میری چھاتی پر کھلا

دیکھیو غالب سے گر الجھا کوئی / ہے ولی پوشیدہ اور کافر کھلا

پھر ہوا مدحت طرازی کا خیال / پھر مہ و خورشید کا دفتر کھلا

خامے نے پائی طبیعت سے مدد / بادبان کے اٹھتے ہی لنگر کھلا

مدح سے ممدوح کی دیکھی شکوہ / یان عرض سے رتبۂ جوہر کھلا

مہر کانپا چرخ چکر کھا گیا / بادشہ کا رایت لشکر کھلا

بادشہ کا نام لیتا ہے خطیب / اب علوے پایۂ منبر کھلا

سکہ شہ کا ہوا ہے روشناس / اب عیار آبروے زر کھلا

شاہ کے آگے دھرا ہے آئینہ / اب مآل سعی اسکندر کھلا

ملک کے وارث کو دیکھا خلق نے / اب فریب طغرل و سنجر کھلا

ہو سکے کیا مدح ہان اک نام ہے / دفتر مدح جہان داور کھلا

بس کر اچھی ہے ستایش ناتمام
عجز اعجاز ستایش گر کھلا

جانتا ہوں ہے خط لوح ازل
تم پہ اے خاقان نام آور کھلا

تم کرو صاحبقرانی جب تلک
ہے طلسم روز و شب کا در کھلا

سلہ خسرو انجم سے مراد آفتاب ہے مطلب یہ ہے کہ آفتاب کے گوہر ستارے چھپ گئے گویا خسرو انجم نے گنجینۂ گوہر کو صرف کر ڈالا ۱۲

سلہ قلم کو لنگر سے تشبیہ دی اور طبیعت کو دریا سے یعنی جب قلم روانہ ہوا طبیعت کی گرہ کھل گئی ۱۲

سلہ مدح غرض ہے اور ممدوح جوہر بیان مدح سے ممدوح کے شکوہ کا حال معلوم ہو گیا گویا غرض جوہر کا آئینہ ہوا ۱۲

سلہ یعنی ایجاد آئینہ سے سکندر کی یہی غرض تھی کہ ممدوح کی آئینہ داری کی عزت حاصل کرے ۱۲

در صفت انبہ

ہاں دل دردمند زمزمہ ساز
کیوں نہ کھولے در خزینۂ راز

خامے کا صفحے پر رواں ہونا
شاخ گل کا ہے گلفشاں ہونا

مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا لکھیے
نکتہ ہائے خرد فزا لکھیے

بارے آموں کا کچھ بیاں ہو جائے
خامہ نخل رطب فشاں ہو جائے

آم کا کون مرد میدان ہے
ثمر و شاخ گوے و چوگان ہے

تاک کے جی میں کیوں رہے ارمان
آئے یہ گوے اور یہ میدان

آم کے آگے پیش جاوے خاک
پھوڑتا ہے جلے پھپھولے تاک

نہ چلا جب کسی طرح مقدور
بادۂ ناب بن گیا انگور

یہ بھی ناچار جی کا کھونا ہے
شرم سے پانی پانی ہونا ہے

مجھ سے پوچھو تمھیں خبر کیا ہے
آم کے آگے نیشکر کیا ہے

نہ گل اسمین نہ شاخ و برگ نہ بار
جب خزان آئے تب ہو اسکی بہار

اور دوڑائیے قیاس کہان
جان شیرین مین یہ مٹھاس کہان

جان مین ہوتی گر یہ شیرینی
کوہکن باوجود غمگینی

جان دینے میں اس کو یکتا جان
پر وہ یوں سہل دے نہ سکتا جان

نظر آتا ہے یوں مجھے یہ ثمر
کہ دواخانۂ ازل میں مگر

آتش گل پہ قند کا ہے قوام
شیرے کے تار کا ہے ریشہ نام

یا یہ ہوگا کہ فرط رافت سے
باغبانوں نے باغ جنت سے

انگبیں کے بحکم رب الناس
بھر کے بھیجے ہیں سر بمہر گلاس

یا لگا کر خضر نے شاخ نبات
مدتوں تک دیا ہے آب حیات

تب ہوا ہے ثمر فشاں یہ نخل
ہم کہاں ورنہ اور کہاں یہ نخل

تھا ترنج زر ایک خسرو پاس
رنگ کا زرد پر کہاں بو باس

آم کو دیکھتا اگر اک بار
پھینک دیتا طلائے دست افشار

رونق کارگاہ برگ و نوا
نازش دودمان آب و ہوا

رہرو راہ خلد کا توشہ
طوبی و سدرہ کا جگر گوشہ

صاحب شاخ و برگ و بار ہے آم
ناز پروردۂ بہار ہے آم

خاص وہ آم جو نہ ارزاں ہو
نو بر نخل باغ سلطاں ہو

وہ کہ ہے والی ولایت عہد
عدل سے اس کے ہے حمایت عہد

فخر دیں عز شان و جاہ و جلال
زینت طینت و جمال کمال

کار فرمائے دین و دولت و بخت
چہرہ آرائے تاج و مسند و تخت

سایہ اس کا ہما کا سایہ ہے
خلق پر وہ خدا کا سایہ ہے

اے مفیض وجود سایہ و نور
جب تلک ہے نمود سایہ و نور

اس خداوند بندہ پرور کو
وارث گنج و تخت و افسر کو

شاد و دلشاد و شادمان رکھیو
اور غالب پہ مہرباں رکھیو

قطعات

اے شہنشاہ فلک منظر بے مثل و نظیر
اے جہاندار کرم شیوۂ بے شبہ و عدیل

پانوں سے تیرے ملے فرق ارادت اورنگ ۱ فرق سے تیرے کرے کسب سعادت اکلیل

تیرا انداز سخن شانۂ زلف الہام ۲ تیری رفتار قلم جنبش بال جبریل

تجھسے عالم پہ کھلا رابطۂ قرب کلیم ۳ تجھسے دنیا مین بچھا مائدۂ بذل خلیل

بہ سخن اوج دہ مرتبۂ معنی و لفظ ۴ بکرم داغ نہ ناصیۂ قلزم و نیل

تا ترے وقت مین ہو عیش و طرب کی توفیر ۵ تا ترے عہد مین ہو رنج و الم کی تقلیل

ماہ نے چھوڑ دیا ثور سے جانا باہر زہرہ نے ترک کیا حوت سے کرنا تحویل

تیری دانش مری اصلاح مفاسد کی رہین تیری بخشش مری انجاح مقاصد کی کفیل

تیرا اقبال ترحم مرے جینے کی نوید تیرا انداز تغافل مرے مرنے کی دلیل

بخت ناساز نے چاہا کہ نہ دے مجھکو امان چرخ کج باز نے چاہا کہ کرے مجھکو ذلیل

پیچھے ڈالی ہے سر رشتۂ اوقات مین گانٹھ ۶ پہلے ٹھونکی ہے بن ناخن تدبیر مین کیل

تپش دل نہین بے رابطۂ خوف عظیم ۷ کشش دم نہین بے ضابطۂ جر ثقیل

در معنی سے مرا صفحہ لقا کی ڈاڑھی ۸ غم گیتی سے مرا سینہ امر کی زنبیل

فکر میری گہر اندوز اشارات کثیر ۹ کلک میری رقم آموز عبارات قلیل

میرے ابہام پہ ہوتی ہے تصدق توضیح میرے اجمال سے کرتی ہے تراوش تفصیل

نیک ہوتی مری حالت تو نہ دیتا تکلیف جمع ہوتی مری خاطر تو نہ کرتا تعجیل

قبلۂ کون و مکان خستہ نوازی مین یہ دیر
کعبۂ امن و امان عقدہ کشائی مین یہ ڈھیل

۱ تخت تیرے قدمون سے اپنا سر ارادت ملتا ہو اور تاج تیرے سر سے کسب سعادت کرتا ہے ۱۲

۲ تیرا انداز سخن الہام کی زلف کا شانہ ہے یعنی وہ الہامی دقایق کو سلجھا دیتا ہے۔

۳ تجھکو قرب کلیم و بذل خلیل دونون حاصل ہین۔

۴ تیرے کلام سے معنی و لفظ کا مرتبہ بلند ہوتا ہے اور تیرے کرم سے قلزم و نیل شرمندہ ہے ۱۲

۵ ماہ کا برج ثور مین اور زہرہ کا برج حوت مین ہونا مبارک ہوتا ہے پس غالب کہتا ہو کہ اس غرض سے کہ تیرے عہد مین ہمیشہ عیش و عشرت قائم رہے ماہ و زہرہ نے ثور و حوت مین مستقل طور پر قیام کر لیا ہو ۱۲

ےہ یعنی جب ناخن تدبیر کو کیل ٹھونک کر بیکار کردیا تب ہمنے سر رشتہ ادقاتین گرہ ڈالی کہ کسی طرح کھل ہی نسکے ۱۲

عہ یعنی تپش دل میرے لیے موجب خوف عظیم ہو اور سانس لینا جرثقیل سے کم نہین ۔۱۲

ےہ مشہور ہو کہ لقا کی داڑھی کے ہر ہر بال مین موتی پرونے گئے تھے اور عمرو عیار کی زنبیل کی نسبت تو سب جانتے ہین کہ جو کچھ اس مین پڑتا تھا غائب ہو جاتا تھا اور کبھی پُر نہ ہوتی تھی ۔۱۲

غالب نے عمرو کے بجاے "امر" شاید بلحاظ ادب لکھا ہو یعنی اُس خیال سے کہ عمرو عیار جو ایک فرضی نام ہو اسمین اور حضرت عمر ابن امیہ صحابی کے نام مین خلط ملط نہو جائے۔

ےہ یعنی گو میری عبارت قلیل ہو لیکن اسمین معانی اور اشارات کثیر ہین۔

گئے وہ دن کہ نادانستہ غیرون کی وفاداری بس اب بگڑے پہ کیا شرمندگی جانے دو مل جاؤ	سلہ	کیا کرتے تھے تم تقریر ہم خاموش رہتے تھے قسم لو ہم سے گر یہ بھی کہین کیون ہم نہ کہتے تھے

سلہ تقریر کردن فارسی محاورے کا ترجمہ کیا ہو غیرون کی وفاداری تقریر کیا کرتے تھے " یعنی بیان کرتے تھے ۔

کلکتے کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشین
اک تیر میرے سینے مین مارا کہ ہاے ہاے

وہ سبزہ زار ہاے مطرا کہ ہے غضب
وہ نازنین بتان خود آرا کہ ہاے ہاے

صبر آزما وہ اُن کی نگاہین کہ حف نظر
طاقت ربا وہ اُن کا اشارا کہ ہاے ہاے

وہ میوہ ہاے تازہ و شیرین کہ واہ واہ (چشم بد دور)
وہ بادہ ہاے ناب گوارا کہ ہاے ہاے

ہے جو صاحب کے کف دست پہ یہ چکنی ڈلی
زیب دیتا ہے اسے جسقدر اچھا کہیے

خامہ انگشت بہ دندان کہ اُسے کیا لکھیے
ناطقہ سر بہ گریبان کہ اُسے کیا کہیے

مہر مکتوب عزیزان گرامی لکھیے
حرز بازوے شگرفان خود آرا کہیے

مسی آلودہ سر انگشت حسینان لکھیے
داغ طرف جگر عاشق شیدا لکھیے

خاتم دست سلیمان کے مشابہ لکھیے
سر پستان پری زاد سے مانا کہیے

اختر سوختہ قیس سے نسبت دیجیے
خال مشکین رخ دلکش لیلا کہیے

حجر الاسود دیوار حرم کیجیے فرض
نافہ آہوے بیابان ختن کا کہیے

وضع مین اس کو اگر سمجھیے قاف تریاق
رنگ مین سبزہ نوخیز مسیحا کہیے

صومعے مین اُسے ٹھہرائیے گر مہر نماز
میکدے مین اُسے خشت خم صہبا کہیے

کیون اسے قفل در گنج محبت لکھیے
کیون اسے نقطۂ پرکار تمنا کہیے

کیون اُسے گوہر نایاب تصور کیجے
کیون اُسے مردمک دیدۂ عنقا کہیے

کیون اسے تکمۂ پیراہن لیلا لکھیے
کیون اُسے نقش پئے ناقۂ سلما کہیے

بندہ پرور کے کف دست کو دل کیجے فرض
اور اس چکنی سپاری کو سویدا کہیے

قطعہ

نہ پوچھ اس کی حقیقت حضور والا نے
مجھے جو بھیجی ہے بیسن کی روغنی روٹی

نہ کھاتے گیہون نکلتے نہ خلد سے باہر
جو کھاتے حضرت آدم یہ بیسنی روٹی

منظور ہے گذارش احوال واقعی
اپنا بیان حسن طبیعت نہین مجھے

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہگری
کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہین مجھے

آزادہ رو ہون اور مرا مسلک ہے صلح کل
ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہین مجھے

کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہون
مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہین مجھے

اُستاد شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال
یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہین مجھے

جام جہان نما ہے شہنشاہ کا ضمیر
سوگند اور گواہ کی حاجت نہین مجھے

مین کون اور ریختہ ہان اس سے مدعا
جز انبساط خاطر حضرت نہین مجھے

سہرا لکھا گیا ز رہِ امتثال امر (تعمیل ارشاد)
دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہین مجھے

مقطع مین آ پڑی ہے سخن گسترانہ بات [۱]
مقصود اس سے قطع محبت نہین مجھے

روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ
سودا نہین جنون نہین وحشت نہین مجھے

قسمت بری سہی پہ طبیعت بری نہین
ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہین مجھے

صادق ہون اپنے قول مین غالب خدا گواہ
کہتا ہون سچ کہ جھوٹ کی عادت نہین مجھے

---

[۱] یہ اشارہ سہرے کے اس مقطع کی جانب ہے

ہم سخن فہم ہین غالب کے طرفدار نہین
دیکھین اس سہرے سے کہدے کوئی بڑھکر سہرا

جس کو سن کر بہادر شاہ کو خیال ہوا کہ مرزا نے ذوق پر چوٹ کی ہے۔ چنانچہ یہ قطعہ غالب نے

بادشاہ کی رفع بدگمانی ہی کی غرض سے لکھا تھا۔

خوش ہو اے بخت کہ ہے آج ترے سر سہرا
باندھ شہزادے جوان بخت کے سر پر سہرا

کیا ہی اس چاند سے مکھڑے پہ بھلا لگتا ہے
ہے ترے حسن دل افروز کا زیور سہرا

سر پہ چڑھنا تجھے پھبتا ہے پر اے طرف کلاہ
مجھکو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا لمبر سہرا

ناؤ بھر کر ہی پروئے گئے ہون گے موتی
ورنہ کیون لائے ہین کشتی مین لگا کر سہرا

سات دریا کے فراہم کیے ہونگے موتی
تب بنا ہوگا اس انداز کا گز بھر سہرا

رخ پہ دولہا کے جو گرمی سے پسینا ٹپکا
ہے رگ ابر گہر بار سراسر سہرا

یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ قبا سے بڑھ جائے
رہ گیا آن کے دامن کے برابر سہرا

جی مین اترائین نہ موتی کہ ہمین ہین اک چیز
چاہیے پھولون کا بھی ایک مقرر سہرا

جبکہ اپنے مین سماوین نہ خوشی کے مارے
گوندھے پھولون کا بھلا پھر کوئی کیونکر سہرا

رخ روشن کی دمک گوہر غلطان کی چمک
کیون نہ دکھلائے فروغ مہ و اختر سہرا

تار ریشم کا نہین ہے یہ رگ ابر بہار
لائے گا تاب گرانباری گوہر سہرا

ہم سخن فہم ہین غالب کے طرفدار نہین
دیکھین اس سہرے سے کہدے کوئی بہتر سہرا

نصرت الملک بہادر مجھے بتلا کہ مجھے
تجھ سے جو اتنی ارادت ہے تو کس بات سے ہے

گرچہ تو وہ ہے کہ ہنگامہ اگر گرم کرے
رونق بزم مہ و مہر تری ذات سے ہے

اور مین وہ ہون کہ گر جی مین کبھی غور کرون
غیر کیا خود مجھے نفرت مری اوقات سے ہے

خستگی کا ہو بھلا جسکے سبب سے سر دست
نسبت اک گونہ مرے دل کو ترے ہات سے ہے

ہاتھ مین تیرے رہے توسن دولت کی عنان
یہ دعا شام و سحر قاضی حاجات سے ہے

تو سکندر ہے مرا فخر ہے ملنا تیرا
گو شرف خضر کی بھی مجھ کو ملاقات سے ہے

اس پہ گذرے نہ گمان ریو و ریا کا زنہار
غالب خاک نشین اہل خرابات سے ہے

متفرقات

ہے چار شنبہ آخرِ ماہِ صفر چلو — رکھ دیں چمن میں بھر کے مئے مشک بو کی ناند

جو آئے جام بھر کے پیے اور ہو کے مست — سبزے کو روندتا پھرے پھولوں کو جائے پھاند

غالب یہ کیا بیاں ہے بجز مدحِ بادشاہ — بھاتی نہیں ہے اب مجھے کوئی نوشت خواند

بٹتے ہیں سونے روپے کے چھلے حضور میں — ہے جن کے آگے سیم و زرِ مہر و ماہ ماند

یوں سمجھئے کہ بیچ سے خالی کیے ہوئے — لاکھوں ہی آفتاب ہیں اور بے شمار چاند

در مدحِ شاہ

اے شاہِ جہانگیر جہاں بخش جہاں دار — ہے غیب سے ہر دم تجھے صد گونہ بشارت

جو عقدۂ دشوار کہ کوشش سے نہ وا ہو — تو وا کرے اس عقدے کو سو بھی باشارت

ممکن ہے کرے خضر سکندر سے ترا ذکر — [1] گر لب کو نہ دے چشمۂ حیواں سے طہارت

آصف کو سلیماں کی وزارت سے شرف تھا — ہے فخرِ سلیمان جو کرے تیری وزارت

ہے نقشِ مریدی ترا فرمانِ الٰہی — [2] ہے داغِ غلامی ترا توقیعِ امارت

تو آب سے گر سلب کرے طاقتِ سیلان — ق — تو آگ سے گر دفع کرے تابِ شرارت

ڈھونڈھے نہ ملے موجۂ دریا میں روانی — باقی نہ رہے آتشِ سوزاں میں حرارت

ہے گرچہ مجھے نکتہ سرائی میں توغل — ہے گرچہ مجھے سحر طرازی میں مہارت

کیونکر نہ کروں مدح کو میں ختم دعا پر — قاصر ہے ستائش سے تری میری عبارت

نو روز ہے آج اور وہ دن ہے کہ ہوئے ہیں — نظارگیِ صنعتِ حق اہلِ بصارت

تجھ کو شرفِ مہرِ جہاں تاب مبارک

غالب کو ترے عتبۂ عالی کی زیارت

---

[1] یعنی یہ ممکن نہیں ہے کہ خضر بغیر چشمۂ حیواں سے لب کو پاک کیے ہوئے سکندر سے ترا ذکر کرے ۱۲

[2] یعنی تیرے ساتھ ارادت رکھنا گویا خدا کا حکم بجا لانا ہے اور تیری غلامی امارت سے بڑھ کر ہے ۱۲

قطعہ

افطار صوم کی کچھ اگر دستگاہ ہو
اس شخص کو ضرور ہے روزہ رکھا کرے

جس پاس روزہ کھولکے کھانیکو کچھ نہ ہو
روزہ اگر نہ کھائے تو ناچار کیا کرے

گذارش مصنف بحضور شاہ

اے شہنشاہ آسمان اورنگ
اے جہاندار آفتاب آثار

تھا مین اک بے نوائے گوشہ نشین
تھا مین اک دردمند سینہ فگار

تم نے مجھکو جو آبرو بخشی
ہوئی میری وہ گرمی بازار

کہ ہوا مجھ سا ذرۂ ناچیز
روشناس ثوابت و سیار

اگرچہ از روئے ننگ بے ہنری
ہون خود اپنی نظر مین اتنا خوار

کہ گر اپنے کو مین کہون خاکی
جانتا ہون کہ آئے خاک کو عار

شاد ہون لیکن اپنے جی مین کہ ہون
بادشہ کا غلام کار گذار

خانہ زاد اور مرید اور مداح
تھا ہمیشہ سے یہ عریضہ نگار

بارے نوکر بھی ہوگیا صد شکر
نسبتین ہو گئین مشخص چار

نہ کہون آپ سے تو کس سے کہون
مدعائے ضروری الاظہار

پیر و مرشد اگرچہ مجھکو نہین
ذوق آرائش سر و دستار

کچھ تو جاڑے مین چاہیے آخر
تا نہ دے باد زمہریر آزار

کیون نہ درکار ہو مجھے پوشش
جسم رکھتا ہون ہے اگرچہ نزار

کچھ خریدا نہین ہے اب کی سال
کچھ بنایا نہین ہے اب کی بار

رات کو آگ اور دن کو دھوپ
بھاڑ مین جائین ایسے لیل و نہار

آگ تاپے کہان تلک انسان
دھوپ کھائے کہان تلک جاندار

دھوپ کی تابش آگ کی گرمی
وقنا ربنا عذاب النار

میری تنخواہ جو مقرر ہے
اس کے ملنے کا ہے عجب ہنجار

ہم ہے مرنے کی چھ ماہی ایک
خلق کا ہے اسی چلن پہ مدار

مجھ کو دیکھو تو ہوں بقید حیات
اور چھ ماہی ہو سال میں دو بار

بسکہ لیتا ہوں ہر مہینے قرض
اور رہتی ہے سود کی تکرار

میری تنخواہ میں تہائی کا
ہو گیا ہے شریک ساہوکار

آج مجھ سا نہیں زمانے میں
شاعر نغز گوئے خوش گفتار

رزم کی داستان اگر سنیئے
ہے زبان میری تیغ جوہر دار

بزم کا التزام گر کیجے
ہے قلم میری ابر گوہر بار

ظلم ہے گر نہ دو سخن کی داد
قہر ہے گر کرو نہ مجھ کو پیار

آپ کا بندہ اور پھروں ننگا
آپ کا نوکر اور کھاؤں ادھار

میری تنخواہ کیجے ماہ بماہ
تا نہ ہو مجھکو زندگی دشوار

ختم کرتا ہوں اب دعا پہ کلام
شاعری سے نہیں مجھے سروکار

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

قطعات

کلیم ہوں لازم ہے میرا نام نہ لے
ہوا اللہ غلبہ میسر کبھی کسی پہ مجھے (بہ تحقیق)

جہان میں جو کوئی فتح و ظفر کا طالب ہے
کہ جو شریک ہو میرا شریک غالب ہے

سہل تھا مسہل ولے یہ سخت مشکل آ پڑی
مجھ پہ کیا گزرے گی اتنے روز حاضر بن ہوئے

تین دن مسہل سے پہلے تین دن مسہل کے بعد
تین مسہل تین تبریدین یہ سب کتنے دن ہوئے [لہ]

[لہ] یعنی کل بارہ روز کی رخصت مانگی ہے ۱۲

خجستہ انجمن طوے (بیاہ ۱۲) میرزا جعفر
ہوئی ہے ایسی ہی فرخندہ سال میں غالب

کہ جسکے دیکھنے سے سب کا ہوا ہے جی محظوظ
نہ کیوں ہو مادۂ سال عیسوی محظوظ ۱۸۵۴ع

ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی
ہوا بزم طرب میں رقص ناہید

کہا غالب سے تاریخ اس کی کیا ہے
تو بولا انشراح جشن جمشید ۱۲

گو ایک بادشاہ کے سب خانہ زاد ہیں ¹ | دربار دار لوگ بہم آشنا نہیں
کانوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں کرتے ہوئے سلام | اس سے ہے یہ مراد کہ ہم آشنا نہیں

¹ یہ دربار شاہی کا ایک قاعدہ تھا کہ اگر بادشاہ کے سوا کسی کو سلام کرنا ہوتا تھا تو بجائے پیشانی پر ہاتھ رکھنے کے کانوں کی جانب ہاتھ لیجاتے تھے۔

رباعی

بعد از اتمام بزم عید اطفال | ایام جوانی رہے ساغر کش حال
آپہونچے ہیں تا سواد اقلیم عدم | اے عمر گذشتہ یک قدم استقبال

شب زلف و رخ عرق فشاں کا غم تھا | کیا شرح کروں کہ طرفہ تر عالم تھا
رویا میں ہزار آنکھ سے صبح تلک ² | ہر قطرۂ اشک دیدۂ پرنم تھا

² زلف و رخ یار کی یاد میں جو آنسو نکلے اُس میں زلف و رخ کی سیاہی اور سپیدی کے اثر سے آنکھ کی سی کیفیت پیدا ہو گئی پس میں گویا ہزار آنکھ سے رویا۔ ۱۲

آتش بازی ہے جیسے شغل اطفال | ہے سوز جگر کا بھی اسی طور کا حال
تھا موجد عشق بھی قیامت کوئی ³ | لڑکوں کے لیے گیا ہے کیا کھیل نکال

³ موجد عشق نے اطفال حسین کے لیے عجب کھیل نکالا ہے کہ عشاق کے سوز جگر کا آتش بازی کے طور پر تماشا دیکھتے ہیں ۱۲

دل تھا کہ جو جان درد تمہید سہی ⁴ | بے تابی رشک و حسرت دید سہی
ہم اور فسردن اے تجلی افسوس | تکرار روا نہیں تو تجدید سہی

⁴ درد تمہید جان کی صفت ہے یعنی کیسی جان جسکی تمہید درد سے ہو ۱۲ مطلب یہ ہے کہ جب تک ہمارے پاس دل تھا اس وقت تک ہم نے رنج والم رشک و حسرت سب ہی کچھ برداشت کیا لیکن اب تو ہم ہیں اور افسردگی پس ایسی حالت میں اے تجلی یار اگر تکرار ممکن نہیں ہے تو تجدید ہی سہی بہرحال کسی طرح سے اس سوز و ساز اور رشک و حسرت کی لذت پھر حاصل ہو۔ ۱۲

ہے خلق حسد قماش لڑنے کے لیے | [illegible] | وحشت کدۂ تلاش لڑنے کے لیے
یعنی ہر بار صورت کاغذ باد | | ملتے ہیں یہ بدمعاش لڑنے کے لیے
دل سخت نژند ہو گیا ہے گویا | | اس سے گلہ مند ہو گیا ہے گویا
پر یار کے آگے بول سکتے ہی نہیں | | غالب منہ بند ہو گیا ہے گویا

ضمیمہ[ف]

غزل

لطف نظارہ قاتل دم بسمل آئے
جان جائے تو بلا سے پہ کہین دل آئے

اُن کو کیا علم کہ کشتی پہ مری کیا گذری
دوست جو ساتھ مرے تا لب ساحل آئے

وہ نہین ہم کہ چلے جائین حرم کو اے شیخ
ساتھ حجاج کے اکثر کئی منزل آئے

آئین جس بزم مین وہ لوگ پکار اُٹھتے ہین
لو وہ برہم زن ہنگامہ محفل آئے

دیدہ خونبار ہے مدت سے ولے آج ندیم
دل کے ٹکڑے بھی کئی خون کے شامل آئے

سامنا حور و پری نے نہ کیا ہے نہ کرین
عکس تیرا ہی مگر تیرے مقابل آئے

اب ہے دلی کی طرف کوچ ہمارا غالب
آج ہم حضرت نواب سے بھی مل آئے

ف اس ضمیمہ مین وہ غزلین اور اشعار ہین جو راقم حروف کو مختلف ذرایع سے حاصل ہوئے ہین اور جو مطبوعہ دیوان غالب مین موجود نہین ہین

غزل دیگر

مین ہون مشتاق جفا مجھ پہ جفا اور سہی
تم ہو بیداد سے خوش اس سے سوا اور سہی

تم ہوئے پھر تمھین پندار خدائی کیون ہے
تم خداوند ہی کہلاؤ خدا اور سہی

خلد مین کیجیے تو دوزخ بھی ملا لین یا رب
سیر کے واسطے تھوڑی سی فضا اور سہی

ہم سے غالب یہ علائی نے غزل لکھوائی
ایک بیداد گر رنج فزا اور سہی

جاتا ہون جدھر اُٹھتی ہے سب کی ادھر انگشت
یکدست جہان مجھ سے پھرا ہے مگر انگشت

کس وقت پہ خاک ہوا ہے دل مجنون یا رب
نقش ہر ذرہ سویدائے بیابان نکلا

بہ ہین شرم ہے با وصف شوخی اہتمام اُس کا
نگین مین جون شرار سنگ ناپیدا ہے نام اُس کا

مسی آلودہ ہے مہر نوازش نامہ ظاہر ہے
کہ داغ آرزوے بوسہ دیتا ہے پیام اُس کا

بامید نگاہ خاص ہون محمل کش حسرت
مبادا ہو عنان گیر تغافل لطف عام اُس کا

شب کہ ذوق گفتگو سے تیرے دل بیتاب تھا
شوخی وحشت سے افسانہ فسون خواب تھا

نوائے ہجوم نغمہ ہائے ساز عشرت تھا اسد
ناخن غم یاں سر تار نفس مضراب تھا

دو دل کو آج اُس کے ماتم میں سیہ پوشی ہوئی
وہ دل سوزاں کہ کل تک شمع ماتم خانہ تھا

شکوۂ یاران غبار دل میں پنہاں کر دیا
غالب ایسے گنج کو شایاں یہی ویرانہ تھا

پھر وہ سوئے چمن آتا ہے خدا خیر کرے
رنگ اڑتا ہے گلستاں کے ہواداروں کا

معزولی تپش ہوئی افراط انتظار
چشم کشودہ حلقۂ بیرون در ہے آج

میر کے شعر کا احوال کہوں کیا غالب
جس کا دیوان کم از گلشن کشمیر نہیں

بے لستی کو نہ سمجھ بے حاصل
بادہ غالب عرق بید نہیں

ہے نزاکت بسکہ فصل گل میں معمار چمن
قالب گل میں ڈھلی ہے خشت دیوار چمن

ظاہر ہیں میری شکل سے افسوس کے نشاں
خار الم سے پشت بدنداں گزیدہ ہوں

ہوں گرمی نشاط تصور سے نغمہ سنج
میں عندلیب گلشن ناآفریدہ ہوں

ابر روتا ہے کہ بزم طرب آمادہ کرو
برق ہنستی ہے کہ فرصت کوئی دم ہے ہم کو

ہندوستان سایۂ گل پائے تخت تھا
جاہ و جلال عہد وصال بتاں نہ پوچھ

ہر داغ تازہ یک دل داغ انتظار ہے
عرض فضائے سینۂ درد امتحاں نہ پوچھ

کہتا تھا کل وہ محرم راز اپنے سے کہ آہ
درد جدائی اسد اللہ خاں نہ پوچھ

ہجوم ریزش خوں کے سبب رنگ اڑ نہیں سکتا
حنائے پنجۂ صیاد مرغ رشتہ برپا ہے

غالب ز بسکہ سوکھ گئے چشم میں سرشک
آنسو کی بوند گوہر نایاب ہو گئی

بہا ہے یاں تک اشکوں میں غبار کلفت خاطر
کہ چشم تر میں ہر اک پارۂ دل پائے در گل ہے

کمال حسن اگر موقوف انداز تغافل ہو
تکلف برطرف تجھ سے تری تصویر بہتر ہے

حیراں ہوں شوخی رگ یاقوت دیکھ کر
یاں ہے کہ صحبت خس و آتش برابر ہے

قاضی [illegible] کلکتہ مولوی سراج الدین علیخاں [illegible] کی فرمائش سے مرزا نے اپنے دیوان اردو فارسی کا خود انتخاب کرکے اسکا [illegible] گیا تھا۔ راقم کے پاس اسی کا ایک نسخہ موجود ہے چنانچہ اشعار ضمیمہ اسی سے نقل کیے گئے ہیں

تمت بالخیر

عبارت خاتمۂ دیوان

داد کا طالب غالب گزارش کرتا ہے کہ یہ دیوان اُردو تیسری بار چھاپا گیا ہے۔ مخلص و داد آئین میر فخر الدین کی کارفرمائی اور خان صاحب عالی شان محمد حسین خان کی دانائی اقتضی اس کی ہوئی کہ دس جزو کا رسالہ ساڑھے پانچ جزو میں منطبع ہوا۔ اگرچہ یہ انطباع میری خواہش سے نہیں لیکن ہر کاپی میری نظر سے گذرتی رہی ہے اور اغلاط کی تصحیح ہوتی رہی ہے مجھ کو یقین ہے کہ کسی جگہ حرف غلط نہ رہا ہو مگر ہاں ایک لفظ میری منطق کے خلاف نہ ایک جگہ بلکہ سو جگہ چھاپا گیا ہے کہاں تک بدلتا۔ ناچار جا بجا یوں ہی چھوڑ دیا یعنی کسو بکاف مکسور و سین مضموم و واو معروف میں نہیں کہتا کہ یہ لفظ صحیح نہیں البتہ فصیح نہیں۔ قافیے کی رعایت سے اگر لکھا جائے تو عیب نہیں ورنہ صحیح بلکہ افصح کسی ہے واو کی جگہ یائے تحتانی میرے دیوان میں ایک جگہ قافیہ کسو بواو ہے اور سب جگہ کسی بیائے تحتانی ہے اس کا اظہار ضرور تھا کوئی نہ کہے کہ یہ کیا آشفتہ بیانی ہے

اللہ بس ماسوا ہوس۔

لہ یہ عبارت مرزا غالب نے ۱۲۷۸ھ میں اپنے دیوان کے تیسری بار منشی [illegible] کے مطبع میں طبع ہونے کے وقت لکھی تھی ہم نے جو دیوان چھاپا ہے وہ اسی نسخے کے مطابق ہے (حسرت)